گیا اور نام مبارک کی تشریح نہ کی گئی۔ اس سے بھی حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوِشان کا اظہار مقصود ہے کہ ذات والا کی یہ شان ہے کہ جب تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان کیا جائے توسوائے ذات اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق ہی نہ آئے اور کوئی اشتباہ راہ نہ پاسکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ خصائص و کمالات جن میں آپ تمام انبیاء پر فائق و افضل ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں بے شمار ہیں کہ قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا۔ درجوں بلند کیا ان درجوں کا قرآن کریم نے کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ تو اب کون حد لگا سکتا ہے۔
ان بے شمار خصائص میں سے بعض کا اجمالی و مختصر بیان یہ ہے کہ آپ کی رسالت عامہ ہے۔ تمام کائنات آپ کی امت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وما ارسلکناك الا کافۃ للناس بشیرا و نذیراً۔
دوسری آیت میں فرمایا: لیکون للعالمین نذیرا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ارشاد ہوا: ارسلت الی الخلائق کافۃ اور آپ پر نبوت ختم کی گئی۔ قرآن پاک میں آپ کو خاتم النبیین فرمایا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا "ختم بی النبییون" آیات بینات و معجزات باہرات میں آپ کو تمام انبیاء پر افضل فرمایا گیا۔ آپ کی امت کو تمام امتوں پر افضل کیا گیا، شفاعت کبریٰ آپ کو مرحمت ہوئی۔ قرب خاص معراج آپ کو ملا۔ علمی و عملی کمالات میں آپ کو سب سے اعلیٰ کیا۔ اس کے علاوہ بے انتہا خصائص آپ کو عطا ہوئے۔

(مدارک، جمل، خازن، بیضاوی وغیرہ، کنز الایمان، پارہ: ۳)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی کمالات و اختیارات کے شواہد قرآن میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ یہاں اختیارات کے حوالے سے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

حدیث صحاح ستہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ ایک شخص نے

بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ میں ہلاک ہوگیا۔ فرمایا کیا ہے؟ عرض کی میں نے رمضان میں اپنی عورت سے نزدیکی کی، فرمایا! غلام آزاد کرسکتا ہے۔ عرض کی نہ، فرمایا! لگاتار دو مہینے کے روزے سکتا ہے۔ عرض کی نہ، فرمایا! ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ عرض کی نہ، اتنے میں خرمے خدمت اقدس میں لائے گئے، حضور نے فرمایا! انہیں خیرات کردے۔ عرض کی کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر۔ مدینے میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں۔ **فضحك النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ وقال اذھب فاطعمہ اھلك** رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ سن کر ہنسے، یہاں تک کہ دندانِ مبارک ظاہر ہوئے اور فرمایا! جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک روزہ کا کفارہ شریعت کے نزدیک ایک غلام کو آزاد کرنا یا لگاتار دو ماہ کا روزہ رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا ہے۔ لیکن یہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعطائے الٰہی اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال فرمایا اور سزا کو انعام میں تبدیل فرما دیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات کے باب میں حدیثیں کثیر ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے اپنی مشہور کتاب ''الامن والعلیٰ'' میں پینتیس حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ ہم ذیل میں ان کی ایک مختصر فہرست پیش کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ''الامن والعلیٰ'' دیکھئے:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے شش ماہا بکری کی قربانی جائز فرما دی!

(۲) ایک بار عتبہ بن عامر کے لئے بھی اس کی اجازت عطا کی۔

(۳) ام عطیہ کو ایک جگہ نوحہ کرنے کی رخصت بخش دی۔

(۴) ایک بار خولہ بنت حکیم کو نوحہ کی اجازت فرما دی۔

(۵) یونہی اسماء بنت یزید کو ایک دفعہ نوحہ کی پروانگی عطا کی۔

(۶) اسماء بنت عمیس کو عدت کا سوگ معاف فرما دیا۔

(۷) ایک صحابی کو بجائے مہر کے صرف سورۂ قرآن سکھانا کافی کر دیا۔

(۸) ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور اس سے حرمت رضاعت ثابت فرما دی۔

(۹) مولیٰ علی کو بحالت جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرما دیا۔

(۱۰) براء بن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرما دی۔

(۱۱) معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرما دیا۔

اب ان احادیث کی روشنی میں اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قدسیؔ کے اشعار ملاحظہ کریں ؎

وہ حلت کو چاہیں تو حرمت بنا دیں
شریعت، طبیعت، ہے کس کی، نبی کی

آقا کی طرح دہر میں ذی جاہ نہیں ہے
مملوک ہیں سب ان کے کوئی شاہ نہیں ہے

خالق نے ان کو سونپ دیا اختیارِ کل
زیرنگیں انہیں کے فلک اور زمین ہے

دستِ قدرت ہے دستِ شاہِ زمن
کچھ بھی ان کے لئے محال کہاں

لاشئے کو چاہیں چشمِ زدن میں کریں وہ شئے
رب کی عنایتوں سے انہیں اختیار ہے

تجھے کہتے رہیں گے مالک و مختار عالم کا
کہ محبوب و محبت میں جب مرا تیرا نہیں رہتا

وہ مختارِ کل ہیں مگر یہ تواضع
غذا جو کی روٹی قناعت کا باعث

خلد میں بھی نہیں ہے ان کو گوارہ فرقت

قدسیؔ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات، سیرت وکردار، سیادت وقیادت، رفعت وعظمت اور اسی طرح کے دوسرے بہت سارے پہلوؤں کو شعری رنگ وروپ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے اشعار میں بڑی گہرائی وگیرائی ہے۔ اگر ان کے سارے دواوین بحث کی میزان پر رکھیں جائیں تو کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ پھر بھی راقم الحروف اپنی بساط بھر کوشش کرے گا۔

خزائن الٰہی کی چابیاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست تصرف میں ہیں، جنت آپ کی ملکیت ہے۔ بلکہ کائنات کی ہر شئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیر فرمان ہے۔آپ جس کو جو چاہیں عطا فرمادیں۔کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی۔مگر حضور کی سرکار سے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک جنت ہیں جسے چاہیں جنت عطا کردیں۔اس ضمن میں بہت ساری احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن یہاں اختصار مقصود ہے۔اس لئے دو چند پہ اکتفا مناسب ہوگا۔صحیح مسلم شریف وسنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ ومعجم کبیر طبرانی میں سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

قال كنت ابيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاتيته بوضوءه وحاجته فقال لى سل ولفظ الطبرانى فقال يوما يا ربيعة سلنى فاعطيك ورجعنا الىٰ لفظ مسلم۔ قال فقلت اسئلك مرافقتك فى الجنة فقال او غير ذٰلك قلت هو ذاك قال فاعنى على نفسك بكثرة السجود۔

میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رات کو حاضر رہتا۔ایک شب حضور کے لئے آب وضو وغیرہ ضروریات حاضر لایا (رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بحر رحمت جوش میں آیا) ارشاد فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں، میں نے عرض کی، میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔فرمایا کچھ اور میں نے عرض کی میری مراد تو صرف یہی ہے۔

(الامن والعلیٰ ص:۱۸۹، رضا اکیڈمی)

خلد میں بھی نہیں ہے ان کو گوارہ فرقت
کتنی پیاری ہے ربیعہ کو رفاقت ان کی

جہاں تک جنت عطا کرنے کی بات ہے تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور دوسرے کئی صحابی کو اس بشارت اعظمیٰ سے نوازا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے دو حدیثیں آئی ہیں:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں کسی سے فرمایا کہ اپنا گھر میرے ہاتھ بیچ ڈال، کہ مسجد حرام میں زیادت فرماؤں اور تیرے لئے جنت میں مکان کا ضامن ہوں، اس نے عذر کیا، پھر فرمایا: انکار کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں ان کا دوست تھا۔ اس سے باصرار تمام دس ہزار اشرفی دے کر خرید لیا، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور اب وہ گھر میرا ہے: **فهل انت اخذ هذها بيت تضمن فی الجنة**۔ کیا حضور مجھ سے ایک مکان بہشت کے عوض لیتے ہیں جس کے حضور میرے لئے ضامن ہو جائیں: **قال نعم**۔ فرمایا ہاں، **فاخذها منه و ضمن له بيتا فی الجنة واشهدله علی ذلك المومنين**۔ حضور نے ان سے وہ مکان لے کر جنت میں ان کے لئے ایک مکان کی ضمانت فرمائی اور مسلمانوں کو اس معاملہ پر گواہ کرلیا۔

جب مہاجرین مکہ معظّمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں آئے۔ یہاں کا پانی پسند نہ آیا۔ شور تھا بنی غفار سے ایک شخص کی ملک میں ایک شیریں چشمہ مسمیٰ رومہ تھا۔ وہ اس کی ایک نیم صاع کو بیچتے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: **بعها بعين فی الجنة**۔ یہ چشمہ میرے ہاتھ ایک چشمۂ بہشت کے عوض بیچ ڈال، عرض کی یارسول میری اور میرے بچوں کی معاش اسی میں ہے۔ مجھ میں طاقت نہیں، یہ خبر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی وہ چشمۂ مالک سے پینتیس ہزار روپئے میں خرید لیا۔ پھر خدمتِ اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: **یا رسول اللہ، اتجعل لی مثل الذی جعلت لہ عینا فی الجنۃ ان اشتریتھا**۔ یارسول کیا جس طرح حضور اس شخص کو چشمۂ بہشتی عطا فرماتے تھے۔ اگر میں یہ چشمہ اس سے خرید لوں تو حضور مجھے عطا فرمائیں گے۔ **قال نعم**۔ فرمایا ہاں عرض کی، میں نے بیر رومہ خرید لیا اور مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ اسی طرح حضور مالک جنت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: **لك الجنۃ علی یا طلحہ غداً**۔ کل تمہارے لئے جنت میرے ذمہ پر ہے۔
(الامن والعلی، ص: ۳۲۴-۳۲۵)

شاہدِ عدل ہے اقصیٰ میں امامت ان کی

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں معجزۂ سفر معراج کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ رب کائنات نے انبیاء کرام و رسولان عظام کو اپنے خصوصی انعام و اکرام سے نوازا ہے، اللہ کے بندوں میں سب سے اعلیٰ و افضل جماعت انبیاء کرام کی ہے۔ ان کی بعثت کا اولین مقصد بندوں کو ان کے مقصد وجود سے آگاہ کرنا تھا اور یہ انتہائی کٹھن کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب کائنات انہیں اپنے وقت کی جابر و ظالم طاقتوں کو زیر کرنے کی صلاحیتیں دے کر زمین پر مبعوث فرماتا، ہر نبی و رسول کو اپنے عہد اپنے زمانے اور اپنے علاقوں کے مطابق معجزات دیئے گئے تا کہ ان کی حقانیت و صداقت کا سورج سب کی نگاہوں میں آجائے اور وہ دولت ایمان و یقین سے سرفراز ہوسکیں، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو جادو میں بڑا کمال حاصل تھا۔ ہزاروں جادوگر دربار شاہی سے وابستہ تھے، ان کی کفالت کی ساری ذمہ داری حکومت وقت کے سپرد تھی، اس لئے رب کائنات نے حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام کو ہر طرح کے جادو کی کاٹ کے معجزات دیئے گئے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا دور دورہ تھا، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ، کوڑھیوں کو تندرست کرنے کی طاقت دے کر بھیجا گیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر نبی اپنے وقت کے ہر کمال سے آگے ہوتا ہے۔ امت کمال کی جس بلندی پر ہوتی

ہے نبی کے کمال کی وہاں سے ابتدائی ہوتی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے امام و پیشوا ہیں۔ رب کائنات نے تمام انبیاء کرام کے کمالات و معجزات کو آپ کی ذات میں جمع فرما دیا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات حساب وشمار سے باہر ہیں۔ آپ کے بہت سارے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور بہت سارے ظاہر ہونے والے ہیں۔ آپ کے معجزات میں قرآن حکیم اور سفرِ معراج کا معجزہ سب سے نمایاں ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفر معراج کی ابتداء مکہ معظّمہ سے ہوئی، آپ وہاں سے بیت المقدس تشریف لے گئے، بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام و رسولان عظام پہلے سے آپ کو استقبالیہ دینے کے لئے موجود تھے، مصلیٔ امامت بچھا ہوا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ تھاما اور آپ کو مصلیٔ امامت پر بڑھا دیا۔ آپ امام بنے اور تمام انبیاء کرام مقتدی قرآن حکیم میں سفر معراج کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیتنا انہ ھو السمیع البصیر۔

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ (کنزالایمان، پ:۱۵، آیت:۱)

مذکورہ آیت کی تفسیر، یوں کی گئی ہے:

> معراج شریف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک جلیل معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس سے حضور کا وہ کمال قرب ظاہر ہوتا ہے جو مخلوق الٰہی میں آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں، نبوت کے بارہویں سال سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج سے نوازے گئے۔ مہینہ میں اختلاف ہے مگر اشہر یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی، مکہ مکرمہ سے حضور کا بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نصِ قرآنی سے ثابت

ہے۔ اس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے جو حدِ تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں۔اس کا منکر گمراہ ہے،معراج شریف بحالت بیداری جسم وروح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی۔ جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور کے اجلہ اصحاب اسی کے معتقد ہیں۔نصوص آیات و احادیث سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، تیرہ دماغانِ فلسفہ کے اوہام فاسدہ محض باطل ہیں۔قدرت الٰہی کے معتقد کے سامنے وہ تمام شبہات بے حقیقت ہیں، حضرت جبرئیل کا براق لے کر حاضر ہونا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غایت اکرام واحترام کے ساتھ سوار کر کے لے جانا، بیت المقدس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیاء کی امامت فرمانا پھر وہاں سے سیر سموات کی طرف متوجہ ہونا، جبریل امین کا ہر ہر آسمان کے دروازے کھلوانا، ہر ہر آسمان پر وہاں کے صاحب مقام انبیاء علیہم السلام کا شرف زیارت سے مشرف ہونا اور حضور کی تکریم کرنا، احترام بجا لانا، تشریف آوری کی مبارک بادی دینا، حضور کا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف سیر فرمانا۔ وہاں کے عجائب دیکھنا اور تمام مقربین کی نہایت سدرالمنتہی کو پہنچنا، جہاں سے آگے بڑھنے کی کسی ملکِ مقرب کو بھی مجال نہیں ہے، جبرئیل امین کا وہاں سے معذرت کر کے رہ جانا پھر مقام قرب خاص میں حضور کا ترقیاں فرمانا اور اس قرب اعلیٰ میں پہنچنا کہ جس کے تصور تک خلق کے اوہام وافکار بھی پرواز سے عاجز ہیں۔ وہاں مورد رحمت وکرم ہونا اور انعامات الٰہیہ اور خصائص نعم سے سرفراز فرمایا جانا اور ملکوت سموات و ارض اور ان سے افضل و برتر علوم پانا اور امت کے لئے نمازیں فرض ہونا، حضور کا شفاعت فرمانا، جنت اور دوزخ کی سیریں اور پھر اپنی جگہ واپس تشریف لانا اور اس واقعہ کی خبریں دینا، کفار کا اس پہ شورشیں مچانا اور بیت

المقدس کی عمارت کا حال اور ملک شام جانے والے قافلوں کی کیفیتیں حضور علیہ السلام سے دریافت کرنا، حضور کا سب کچھ بتانا اور قافلے کے جو احوال حضور نے بتائے قافلوں کے آنے پر ان کی تصدیق ہونا، یہ تمام ''صحاح ستہ'' کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث ان تمام امور کے بیان اور ان کے تفاصیل سے مملو ہیں۔

(کنزالایمان، ص:۴۰۸)

حدیث پاک میں اس کی تفصیل یوں آئی ہے:

امام نسائی نے بطریق یزید بن مالک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے پاس ایک چوپایہ جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، لایا گیا، اس کا قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا۔ جبرائیل میرے ساتھ تھے اور روانہ ہوئے، جبرئیل نے کہا یہاں اتر کر نماز پڑھئے میں نے اتر کر نماز پڑھی، جبرئیل نے عرض کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے نماز کہاں پڑھی ہے؟ یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی عطا فرمایا۔ پھر آگے چل کر) جبرئیل نے کہا اتر کر نماز پڑھئے، چنانچہ میں نے نماز پڑھی، جبرئیل نے پوچھا آپ جانتے ہیں یہ کون سا مقام ہے جہاں آپ نے نماز ادا کی؟ آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، میرے لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اجتماع کیا گیا تھا، جبرئیل امین نے مجھے آگے بڑھا دیا تو میں نے سب کی امامت کی، پھر مجھے آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا وہاں دو خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے، پھر جبرئیل مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام موجود تھے، پھر مجھے چوتھے آسمان پر لے جایا گیا وہاں حضرت

ہارون علیہ السلام تھے، اس کے بعد مجھے پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تشریف فرما تھے، پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، پھر جبرئیل مجھے ساتویں آسمان سے اوپر لے گئے اور میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو مجھے ایک بدلی نے ڈھانپ لیا، میں سجدہ ریز ہو گیا تو مجھ سے کہا گیا جس روز سے میں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، لہٰذا آپ ان پر عمل پیرا رہیں اور اپنی امت کو بھی ان کا پابند بنائیں۔ وہاں سے لوٹ کر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے دریافت کیا، کیا آپ کے پروردگار نے آپ کی امت پر کچھ فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا پچاس نمازیں فرض کی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، آپ اور آپ کی امت ان نمازوں کی پابندی نہ کر سکیں گے، کیونکہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں مگر وہ ان کو ادا نہ کر سکے، لہٰذا اپنے پروردگار کے پاس جا کر تخفیف کی درخواست کیجئے، چنانچہ میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو مجھ سے دس دس نمازوں کی تخفیف کی گئی، یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ پچاس کے بدلے پانچ نمازیں ہیں، چنانچہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی ہیں، لہٰذا میں نے پھر تخفیف کی التجا نہ کی۔

(حجۃ اللہ علیہ العالمین جلد: ۱، ص: ۵۷۱-۵۷۲)

سفر معراج کے حوالے سے قدسیؔ کے چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

سارے نبیوں سے ہیں وہ افضل و اعلیٰ قدسیؔ
شاہدِ عدل ہے اقصیٰ میں امامت ان کی
معراجِ شاہِ کون و مکاں ہے دلیل تام

ہر وصف ہر کمال حبیبِ خدا میں ہے

معراج انبیاء کی بھی اقصیٰ میں ہوگئ
فیاض ہے نبی کی امامت کی روشنی

رف رف نے کہا آئے ہیں وہ اپنے ہی گھر میں
معراج کا دولہا کوئی مہمان نہیں ہے

کریں اقتداء ان کی سب انبیاء بھی
انوکھی امامت ہے کس کی، نبی کی

ہر ایک سو شب معراج تھی عجب روشن
کہ فرش و عرش تلک ہر طبق ہوا روشن

حدِّ امکاں سے پرے ان کا سفر
چشمِ عالم پہ ہے حیرت ظاہر

مقتدی ان کے بنے سارے نبی
شاہد اقصیٰ ہے امامت ظاہر

جب چلے سدرہ سے آگے مصطفی
دنگ سا جبرئیل کا شہپر رہا

قدسیؔ قریب قریب چالیس سال سے نعتیہ ادب کی خدمت میں مصروف ہیں، انہوں

نے نعتیہ ادب کے دامن کو نت نئے جواہرات سے مزین کیا ہے، فن کے احترام کا جو خالص جذبہ ان کے یہاں ملتا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں یہ خالصیت بہت کم دیکھنے میں آتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نعت گوئی کے جو لوازمات ہیں، قدسیؔ ان سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں، نعت گو شعراء میں قدسی سب سے زیادہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے متاثر نظر آتے ہیں، اس چیز کا انہوں نے اکثر اعتراف بھی کیا ہے، لکھتے ہیں ؎

ہے یہ سبق ''حدائقِ بخشش'' کا لاجواب
نعتِ رسول سیکھئے رب کی کتاب سے

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی ذات قدسیؔ کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات صرف نعت گوئی کے میدان تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں انہیں میر کارواں تسلیم کرتے ہیں، قدسیؔ کے باغ فن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہیں، ان کا ہر باذوق قاری ان پھولوں کی خوشبو میں نہاتا رہتا ہے، قدسیؔ کے نعتیہ سرمائے کو سامنے رکھ کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامع سوانح ترتیب دی جاسکتی ہے، خود قدسیؔ کے دل میں بھی بہت دنوں سے یہ خواہش مچل رہی ہے۔ اس چیز کا انہوں نے بارہا اظہار بھی کیا ہے۔

ان کے اخلاق کی تیز برسات میں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب دنیا اخلاق کے معنی و مفہوم سے قطعاً ناواقف تھی، قتل وخونریزی، ظلم و جبر اور شراب وشباب ان کے محبوب مشاغل تھے۔ معصیت شعاری میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، جس طرح چاند ستاروں میں نمایاں ہے اسی طرح پوری دنیا میں وہ گناہوں کے معاملے میں نمایاں تھے، دنیا میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جائے۔ وہ برائیوں کے فروغ میں ساری دنیا کی مقتدا بنے ہوئے تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چراغ ہدایت بن کر جلوہ افروز ہوئے۔ روشنی پھیلنے لگی۔ کفر وشرک کا سینہ جلنے لگا، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی ادا انہیں اچھی نہیں لگتی تھی، وہ سمجھ نہیں پارہے تھے کہ یہی وہ ذات ہے جو آگے چل کر ہمارے سارے خود ساختہ خداؤں کی کمر توڑ دے گی، جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت و رسالت کا

اعلان فرمایا، مکہ کی سرزمین پر مخالفتوں کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ امین وصادق کہنے والے توہین و تضحیک کے تیر پھینکنے لگے مگر صداقتوں کی خوشبو کو پھیلنے سے کوئی روک نہیں پا رہا تھا۔ دعوت و تبلیغ کی راہ میں قدغنیں لگائی جا رہی تھیں مگر سچائی ساری رکاوٹوں کو کچل کر اصلاح پسند ذہنوں میں اترتی چلی جا رہی تھی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق کا تیر شر کے آر پار ہوتا جا رہا تھا۔ آوارگیِ فکر کی زمین پر رحمتِ الٰہی کا بادل ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا تھا۔ نفرتوں کے ایوان میں محبت کی صدا گونجتی ہے۔ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ قرآن حکیم نے آپ کی صداقتوں کا اعلان فرمایا: **وانک لعلیٰ خلق عظیم۔** بلاشبہ آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں۔ آپ کا یہ محبت و پیار میں ڈوبا ہوا پیغام آج بھی دنیا کے کانوں میں رَس گھول رہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ کس مومن کا ایمان افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں حضور رحمت و عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک تم میں وہ شخص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا جو تم میں اخلاقی اعتبار سے سب سے اچھا ہوگا۔ (بخاری شریف)

ایک شخص حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سامنے سے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا حسنِ اخلاق۔ پھر داہنے آکر پوچھا کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا حسنِ اخلاق، پھر سرکار کے بائیں سے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا کام سب سے اچھا ہے؟ فرمایا حسنِ اخلاق، پھر وہ سرکار کے پیچھے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل افصل ہے؟ تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تمہیں کیا ہوا سمجھتے کیوں نہیں اور وہ یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے اگرچہ استطاعت ہو۔ (یعنی ناگوار بات پر بدلہ لینے یا مقابلہ کرنے کی استطاعت ہو پھر بھی غصہ سے بچ جائے تو یہ حسن اخلاق ہے)۔

(اہلسنّت کی آواز ۲۰۰۲ء ص: ۱۴۴)

(۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق وخصائل میں سے وفا، حسنِ عہد، صلہ رحمی اور عیادت ومزاج پُرسی بھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی چیز ہدیہ میں لائی جاتی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے اسے فلاں عورت کے پاس لے جاؤ کیونکہ وہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی سہیلی ہے۔

(۲) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جتنا رشک کرتی تھی اتنا کسی عورت سے رشک میں نے نہیں کیا کیونکہ حضور انہیں بہت یاد کرتے تھے، اگر حضور کوئی بکری بھی ذبح فرماتے تو اس میں سے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو ضرورت بھجوایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک عورت حضور کی خدمت میں آئی۔ آپ نے اسے دیکھ کر بڑی شادمانی کا اظہار فرمایا اور اس کی خوب خاطر مدارت فرمائی، جب وہ عورت چلی گئی تو فرمایا یہ عورت حضرت خدیجہ کے زمانے میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی اور فرمایا **حسن العهد من الایمان** یعنی وضع داری کو عمدہ طریق سے پورا کرنا ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد: ۱، ص: ۱۰۳)

(۳) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ اس وقت میں بچہ تھا کہ اچانک ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئی، حضور نے اس عورت کے لئے اپنی چادرِ مبارک بچھائی۔ وہ عورت اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے دریافت کیا۔ یہ کون عورت ہے تو صحابہ نے کہا یہ وہ عورت ہے جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حلیمہ سعدیہ

ہوں گی اور ابن عبدالبر ''استیعاب'' میں کہتے ہیں کہ وہ حلیمہ تھیں اور علماء یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور کو چونکہ آٹھ عورتوں نے دودھ پلایا ہے، انہیں میں سے کوئی ہوگی۔

(۴) عمرو بن صائب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز تشریف فرماتھے کہ حضور کے رضاعی والد آئے۔ آپ نے ان کے لئے اپنی چادرِ مبارک بچھائی۔ وہ اس پر بیٹھے، پھر آپ کی رضاعی والدہ آئی تو چادر شریف کے ایک کونے پر انہیں بٹھایا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے انہیں بٹھایا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے یہی وہ بول تھے اور آپ کی یہی وہ عادات کریمہ تھیں جو کفر کی جڑوں کو کاٹ رہی تھیں۔ جو لوگ انسانیت کے لہو سے اپنی پیاس بجھایا کرتے تھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند سالہ دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں وہی لوگ انسانیت کے میر کارواں بن کر تاریخ کے دامن پر نمودار ہوئے۔ اخلاق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بادِ بہاری نے عرب کی زمین سے کفر کی نجاستوں کو ہمیشہ کے لیے صاف کر دیا۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں اخلاقی نقوش کو سامنے رکھ کر قدسیؔ رقمطراز ہیں ؎

دیکھ کر ان کے بحرِ رحمت کو
غم نے ساحل پہ سر کو پھوڑ دیا

گردن کفر کو شہِ دیں کے
دستِ اخلاق نے مروڑ دیا

میرے آقا نے سارے مومن کو
ایک دھاگے میں قدسیؔ جوڑ دیا

ان کی تحریک سے سب حق کے پرستار بنے
آہ بھرتا رہا تاریک صنم کا رستہ

ان کی رحمت سے بنے وہ اخیار
شر کی کرتے تھے جو ایجاد بہت

ہوجاتا پاش پاش کلیجہ گناہ کا
جب چلتی ان کے خلق کی تلوار ایک بار

چشم زدن میں بہہ گئے ایوانِ کفر و شرک
آیا تھا رب کے نور کا سیلان ایک بار

ہوا کفر مسحور پل بھر میں قدسیؔ
زباں میں حلاوت ہے کس کی، نبی کی
ان کے خلق کا ہر ایک تیر
شر کے آر پار ہوگیا

دم بخود کرگئی کفار کو ہجرت ان کی

کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر اصحابِ پیمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے سب کے سب مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ مکہ معظّمہ میں صرف حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تھے۔ انہیں بھی ہجرت کرنی تھی لیکن حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم الٰہی کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری طرف کفارِ مکہ کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ اب جلد ہی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی ہجرت کر جائیں گے۔ مدینہ طیبہ میں اہل ایمان کی بڑھتی ہوئی تعداد سے کفار مکہ ذہنی طور پر پریشان تھے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے ''دارالندوہ'' میں رؤسائے مکہ کی ایک میٹنگ طلب کی۔ میٹنگ میں یہ بات زیر بحث آئی کہ مسلمان سب کے

سب مدینہ جا چکے ہیں اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی دو چند روز میں جانے والے ہیں۔
کفار مکہ کے ذہنی کیفیات کو صاحب ''مدارج النبوۃ'' نے یوں بیان کیا ہے:

جب مشرکین مکہ کو ترقی وکمال کے مبادیات اور انتظام مصالح کے احوال کے اسباب کا احساس ہوا اور انہوں نے صحابۂ کرام کے مدینہ کی جانب کوچ کر جانے کے نتائج پر غور کیا تو استدلال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی یقینا یہاں سے تشریف لے جائیں گے تو وہ شر اور فساد کے لئے مشورت وعناد کی طرف متوجہ ہوئے، اس زمانہ میں ان اشرار کا سرخیل ابوجہل لعین تھا اور دیگر شیاطین بھی اس کے معاون بن گئے تھے، ابلیس لعین بھی ''شیخ نجدی'' کی صورت میں ان کا ساجھی بن گیا تھا۔ وہ ان کی مجلس مشاورت میں آ کر بیٹھا تھا، اس وقت کسی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ سے تشریف لے جانے میں مصلحت کا مشورہ دیا، کسی نے قید کر دینے کا مشورہ دیا اور کسی نے قتل وہلاک کر دینے کی رائے دی۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:

واذ یمکروا بك الذین کفروا یثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

اے محبوب اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ کفار آپ کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ باندھ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ بھی ان کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ بہترین مکاروں کو بدلہ دینے والا ہے۔

ابوجہل نے منصوبہ بنایا کہ پانچوں قبیلوں میں سے پانچ شخص لئے جائیں اور یہ پانچوں یکبارگی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر (معاذ اللہ) تلوار کی ضرب لگائیں ''بنی ہاشم'' ان متفرق قبیلوں سے قصاص وبدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں گے'' شیخ نجدی (شیطان لعین) نے تمام رایوں کو گمراہ قرار دیا اور ابوجہل کی رائے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ان حالات کے مشاہدہ کے بعد اس ہجرت کا ارادہ فرمایا جو انبیا علیہم السلام کی سنت ہے۔ (مدارج النبوۃ، ج:۲،ص:۹۱-۹۲)

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کفار مکہ کے پلان سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مولائے کائنات کو حکم دیا کہ آج تمہیں میرے بستر پر سونا ہے اور اہل مکہ کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں انہیں واپس کر کے پھر مدینہ آجانا ہے۔ اس تعلق سے صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں:

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ صبح کے وقت ہجرت کر جائیں تو شام ہی کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آج تم یہیں سونا تاکہ مشرکین شک وشبہ میں مبتلا ہو کر حقیقت حال سے باخبر نہ ہوں۔ لیکن اصل سبب حضرت علی مرتضی کو چھوڑنے کا یہ تھا کہ کفار قریش کی کچھ امانتیں حضور کے پاس رکھی ہوئی تھیں چونکہ وہ باعتقاد و دیانت اور بمشاہدۂ امانت حضور کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور حضور کو ''محمد امین صادق'' کہا کرتے تھے۔ اس بنا پر حضور نے علی مرتضیٰ کو اپنے بستر استراحت پر لٹا دیا اور اپنی خاص چادر مبارک اوڑھا کر انہیں سلا دیا۔ لہٰذا حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں اپنی جان کو فدا کیا اور اپنے آپ کو حضور پر قربان ہونے کے لئے پہلے خود کو پیش کیا۔

(مدارج النبوۃ، جلد:۲،ص:۹۲-۹۳)

کاشانۂ نبوت کے چاروں سمت رات کی تاریکی میں کفار مکہ زہر میں بجھائی تلواریں لئے کھڑے تھے کہ معاذ اللہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) گھر سے نکلیں اور ہم ان کا خاتمہ کر دیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مولائے کائنات کو اپنے بستر اقدس پر سلا کر اپنے سر مبارک پر چادر لپیٹ کر اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے اور ایک مشت خاک پر سورۂ یٰسین شریف دم کر کے کفار مکہ کے سروں پر پھینک دیا۔ خاک کا سروں پر پڑنا تھا کہ ان کی آنکھوں

کی روشنی ختم ہوگئی اور آپ وہاں سے اس طرح نکلے کہ کفار مکہ کو خبر بھی نہ ہوسکی۔ ابن حاتم کی روایت میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اس وقت جس کافر کے سر پر یہ خاک پڑی تھی وہ سب روز بدر ہلاک ہوگئے۔ اس واقعۂ ہجرت کی طرف قدسیؔ نے یوں اشارہ کیا ہے ؎

سازش قتل نبی قتل ہوئی پل بھر میں
دم بخود کرگئی کفار کو ہجرت ان کی

قرآن واحادیث کے صفحات پر عشق رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کھلے ہوئے خوشنما پھولوں سے قدسیؔ نے جرأت اظہار کشید کیا ہے۔ ان کے دبستان نعت کے مطالعہ سے قاری کو سب سے پہلا تاثر یہی ملتا ہے۔ ان کے یہاں بناوٹ اور بھرتی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اکثر نعت گو شعراء تضاد بیانی کے شکار ملتے ہیں۔ ان کی ذات اور کلام میں بہت فاصلے ہوتے ہیں لیکن قدسی کا دامن حیات اس طرح کے داغ دھبوں سے بہت حد تک پاک ہے۔ ان کی زندگی کے بہت سارے نقوش راقم الحروف کے سامنے ہیں۔ قدسی کے اظہارات میں بے پناہ لطافتیں ہوتی ہیں جو قاری کے دل کے تاروں کو چھیڑتی رہتی ہیں۔ صداقتوں کے عرفان کے لئے ذیل کے چند اشعار دیکھیں ؎

سرکارِ دو جہاں کی محبت ہے زندگی
بس ان کے نام سے ہی عبارت ہے زندگی
اس دورِ پرفتن میں جو حق پر ڈٹا رہا
ذی شاں ہے اس کی ذات کرامت ہے زندگی
ہر لمحہ ان کی یاد میں کرتے رہو بسر
ان کے کرم سے رب کی امانت ہے زندگی
شاہد ہے اس پہ حضرتِ حسان کا عمل
نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی
ربِّ جہاں کا شکر ادا کیسے ہم کریں
قدسیؔ ہم ان کے ہیں یہ سعادت ہے زندگی

مندرجہ بالا اشعار احادیث کے مفاہیم کے ترجمان ہیں۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان کی کاملیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔حالانکہ دورِ حاضر میں محبت کا غلط مفہوم تراشنے کی کوشش کی جارہی ہے۔نعروں کی کثرت کو محبت کی سند فراہم نہیں کی جاسکتی۔عشق انگاروں پر برہنہ پا ٹہلنے کا نام ہے۔عشق شعلوں پہ مسکراتے ہوئے گزرجانے کا نام ہے اور عشق تپتے ہوئے صحراؤں میں آبلہ پائی کا نام ہے۔عشق،محبوب کی اداؤں میں ڈوب جانے کا نام ہے ؎

کھوگیا جب بھی ان کی یادوں میں
رحمتوں کو میری تلاش رہی
ان کی تحریرِ محبت چھاگئی
دل کا کاغذ جب بھی سادہ ہوگیا

قدسیؔ کے کلام کا ہر لفظ فن اور عشق کی دہلیز پہ سجدہ ریز ہوتا ہے۔نقادان سخن کی ریشہ دوانیوں سے دنیا کا کوئی فنکار بچا نہیں ہے۔بقول صاحبان نقد ونظر قدسی بھی تسامحات کے شکار ہوئے ہیں۔لیکن قدسیؔ اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ان کا کہنا ہے کہ جن خامیوں کی طرف نشاندہی کی گئی ہے وہ ناشرین کی کرم فرمائیاں ہیں۔ان کی بات بہت حد تک درست بھی ہے۔اس لئے کہ بڑے بڑے مشاہیر ناقدین ادب نے ان کے کلام کو سند جواز فراہم کیا ہے۔اس تعلق سے راقم الحروف کا مقالہ ’’قدسیؔ کی نعت گوئی اکابر ادب کی نظر میں‘‘ دیکھا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ لکھتے ہیں:

’’یہ کہنا مشکل ہے کہ سید اولادرسول قدسیؔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں یا نعت کے۔شاید ان دونوں اصناف کو انہوں نے ایمانداری اور خلوص مندی کے ساتھ برتا ہے۔۱۹۸۰ء کے بعد ابھرنے والے تمام جدید تر شاعروں میں قدسیؔ کا ایک اہم مقام ہے۔ان کے کئی نعتیہ مجموعے چھپ چکے ہیں اور غزل کا مجموعہ زیر طبع ہے(ان کی غزلوں کا مجموعہ ’’رفتہ رفتہ‘‘ کے نام سے حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے) ان کی غزلوں میں تشبیہات و استعارات کی

رنگارنگی اور پیکر تراشی کی ندرت ان کی تخلیقی بصیرت پر دال ہے۔اس سے قبل
ان کی نعت گوئی مجروح سلطان پوری،علی سردار جعفری،کالی داس گپتا رضا اور
عنوان چشتی جیسے اکابر ادب سے داد تحسین وصول کر چکی ہے۔ان کا یہ نعتیہ
مجموعۂ کلام عام نعتیہ دیوانوں سے ہٹ کے اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔''

قدسیؔ نے اس وقت نعت گوئی کی شعلہ بردوش وادی میں قدم رکھا تھا۔ جب ان کا دامن حیات دینی علوم و معارف کی دولت سے بہت حد تک خالی تھا۔اس کے باوجود اس دور کی ان کی شاعری پر بھی قرآن و احادیث کے مفاہیم کا غلبہ ہے۔اسے والدین کی تربیت اور خاندانی ماحول کا اثر ہی کہا جا سکتا ہے۔قدسیؔ شاعر فطرت ہیں۔خود لکھتے ہیں ؎

یہ فیضان ہے تیری نسبت کا آقا
جو ہونٹوں پہ قدسیؔ کے تیری ثنا ہے

''صادق ہیں بے مثال مہذب امین ہیں''

اعلان نبوت سے قبل اہل مکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔اس زمانے میں اہل مکہ آپ کی اخلاقی برتری کے معترف تھے اور آپ کو امین و صادق کہا کرتے تھے لیکن جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا تو پورا ماحول آتش فشاں بن گیا۔سب کے سب آپ کی جان کے دشمن بن گئے۔ پھر بھی وہ آپ کی پاکیزگی اور صداقت کے قائل تھے اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ہجرت کی شب مولائے کائنات کو بلا کر فرماتے ہیں کہ آج تم یہی سونا، اہل مکہ کی امانتیں میرے پاس ہیں۔ان امانتوں کو ان کے سپرد کر کے مدینہ آجانا۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء ہی سے اہل مکہ میں صادق و امین کہے جاتے تھے۔اس سلسلے میں متعدد حدیثیں آئی ہیں۔ان میں سے چند ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم
گرامی ''امین'' اس بنا پر رکھا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تمام
اخلاق صالحہ جمع کر دیے گئے تھے۔ جب قریش کے چار قبیلوں میں تعمیر کعبہ

کے وقت حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے میں اختلاف رونما ہوا تو سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ علی الصباح جو سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہو وہ جو کچھ حکم کرے اس پر ہم سب راضی ہوں گے۔ تو اس وقت سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داخل ہوئے۔ اس پر وہ سب کہنے لگے یہ تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہیں۔ یہ امین ہیں۔ یہ جو کچھ فیصلہ فرمائیں گے ہم سب کو منظور ہوگا، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک چادر منگوائی اور اس کے درمیان میں حجر اسود کو رکھا اور چادر کے چاروں کونوں کو چاروں قبائل کے سرداروں کو تھما دیا اور خود اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی اپنی جگہ نصب فرما دیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **واللہ انی الامین فی السماء وامین فی الارض**۔ خدا کی قسم میں یقیناً آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں۔

منقول ہے کہ اخنس بن شریک روز بدر ابو جہل سے ملا اور کہا اے ابوالحکم (ابو جہل کی کنیت ہے) اس جگہ میرے اور تمہارے سوا (تیسرا) کوئی شخص نہیں ہے جو کہ ہماری باتوں کو سنے۔ مجھے بتاؤ کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) صادق ہیں یا کاذب؟ تو اس ملعون نے کہا خدا کی قسم بلاشبہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) راستی پر ہیں اور وہ صادق ہیں۔ ہرگز دروغ گو نہیں۔

ہرقل بادشاہِ روم نے ابوسفیان سے اس حدیث میں جس میں حضور کے اوصاف واحوال کے بارے میں اس نے سوال کئے اور آپ کی نبوت پر اس نے استدلال کیا ہے، دریافت کیا، کیا تم ان میں سے تھے کہ اس مرد کو متہم بالکذب گردانتے تھے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے دعوئ نبوت سے پہلے ایسا جانتے تھے۔ ابوسفیان نے جواب دیا خدا کی قسم انہوں نے کبھی دروغ گوئی نہ کی۔ ہرقل نے کہا جب یہ بات ہے تو یہ ذات خدا پر

دروغ گوئی کیسے باندھ سکتی ہے۔ ہرقل کی یہ بات علامات نبوت کی معرفت میں مفید ترین چیز ہے۔

نصر بن حارث نے قریش سے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہارے سامنے خورد سال سے جوان ہوئے، تمہارے کاموں میں تمہارے محبوب و پسندیدہ، قول وقرار میں تم سب سے زیادہ صادق ترین اور دیانت و امانت میں تم سب سے زیادہ عظیم ترین رہے اور اب جب کہ تم ان کی کنپٹیوں کے بالوں میں آثار پیری دیکھ رہے ہو اور تمہارے پاس دین وملت کی باتیں لے کر تشریف لائے ہیں تو تم انہیں جادوگر (ساحر) کہتے ہو۔ نہیں خدا کی قسم وہ ساحر نہیں ہیں۔

حارث بن عامر ان شریر لوگوں میں سے تھا جو لوگوں کے سامنے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب کیا کرتا تھا لیکن جب یہ گھر والوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتا تو کہتا خدا کی قسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد:۱، ص:۱۰۵)

قدسیؔ نے انہیں واقعات کی یوں ترجمانی کی ہے:

خونخوار دشمنوں کو بھی ہے ان پہ اعتماد
صادق ہیں بے مثال مہذب امین ہیں

آقا کی طرح دہر میں ذی جاہ نہیں ہے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات الٰہی میں سب سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہیں۔ رب کائنات نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام فضائل و کمالات کا جامع بنایا ہے۔ ساری کائنات آپ کے نور سے پیدا کی گئی۔ آپ تمام اولاد آدم کے سردار اور تمام انبیا ورسل کے امام و پیشوا ہیں۔ مخلوقات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات تمام خیرات و برکات کی قاسم ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبوت و رسالت کے آفتاب ہیں اور سارے انبیا ورسل ستارے۔ باب شفاعت سب سے پہلے آپ ہی کے لئے کھولا جائے گا۔ اس سلسلے

میں حضرت امام قسطلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مواہب میں بحوالہ ابن مرزوق فرماتے ہیں:

''ہر نبی کا معجزہ نور محمدی سے مستفاد ہے اور اس عطا کے باوجود سر چشمۂ نور میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خورشید رسالت ہیں اور دیگر انبیاء کرام اسی نظام شمسی کے ستارے ہیں وہ ظلمتوں میں اسی آفتاب کی روشنی ظاہر کرتے رہے۔ وجہ یہ ہے کہ ستارے بذات خود روشن نہیں ہوتے بلکہ روشنی کے لئے وہ سورج کے محتاج ہیں اور سورج جب اوجھل ہوتا ہے تو وہ اس کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نورِ کمال کو ظاہر کرتے رہے۔ لہٰذا جس قدر انوار ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے وہ سب نور محمدی کا فیضان اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امداد کا ثمرہ ہے۔ اس فیضان کا پہلا ظہور آدم علیہ السلام کی ذات میں ہوا کہ اللہ نے انہیں خلیفہ بنایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوامع کلمات میں سے اسماء کے ذریعہ ان کی امداد فرمائی تو اس علم اسماء کے ذریعہ انہیں ان فرشتوں پر غلبہ حاصل ہوا، جنہوں نے انسان کو فسادی اور خونریز قرار دیا تھا، پھر خلافت ارضیہ کا یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمانی ظہور کا زمانہ آ گیا تاکہ شانِ رسالت محمدیہ کا ظہور تام ہو۔

پھر جب شمس نبوت افق جہاں پر جلوہ گر ہوا تو نبوت کا ہر نور اس کے انوار میں جذب ہو کر رہ گیا اور دیگر انبیاء کرام کے نشانات نبوت اس کے معجزات میں گم ہو گئے۔ تمام رسالتیں اور نبوتیں اس کے لوائے رسالت کے سائے میں جمع ہو گئیں اور فرداً فرداً جس کو جو فضیلت و کرامت بخشی گئی اس کی مانند حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، جلد: ۱، ص: ۴۷-۴۸)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام مخلوقات پر فضیلت و برتری کے بے شمار

شواہد قرآن و احادیث، آثار صحابہ و صالحین کی تصانیف میں موجود ہیں۔ حضرت جامی نے اسے ایک نعتیہ شعر میں یوں پیش کیا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آقائی وسرداری کا یوں اظہار فرمایا ہے:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تنا ہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختمِ سخن اس پر کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

حدیث پاک ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میں روز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں گا، لوائے عہد میرے ہاتھ میں ہوگا، آدم اور دیگر لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میرے لئے زمین شق ہوگی۔ یہ باتیں بلافخر کہہ رہا ہوں۔ (ترمذی شریف)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور عرض کیا۔ آپ کا رب ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ بنایا تو اے محبوب! تجھے اپنا حبیب بنایا ہے۔ میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ مکرم ومعزز پیدا نہیں کی بلکہ دنیا اور اہل دنیا کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ انہیں اپنی بارگاہ میں تیری عزت وکرامت اور جاہ ومنزلت دکھاؤں، اگر تجھے پیدا کرنا

مقصود نہ ہوتا تو میں دنیا ہی کو صفت وجود عطا نہ کرتا۔ (ابن عساکر)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا! یا رسول اللہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے اس امر کا یقین کرلیا، فرمایا اے ابوذر! میرے پاس دو فرشتے آئے۔ میں اس وقت بطحائے مکہ کے کسی مقام پر تھا۔ ایک فرشتہ زمین پر اترا اور دوسرا آسمان و زمین کے درمیان رہا، ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا، کیا یہ وہی ہیں، دوسرے نے جواب دیا ہاں! کہا ان کا ایک آدمی کے ساتھ وزن کرو، تو میرا ایک شخص کے ساتھ وزن کیا گیا اور میں اس میں بھاری رہا، اس نے کہا اب ان کو دس آدمیوں کے ساتھ تولو، تو مجھے دس آدمیوں کے ساتھ تولا گیا تو میں ان سے بھی بھاری رہا، اسی طرح مجھے سو اور ہزار آدمیوں کے ساتھ تولا گیا۔ تو میں ان سے بھی وزنی نکلا، میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ خفت میزان کے باعث بکھر رہے تھے، پھر اس فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب ان کا ساری امت کے ساتھ وزن کرو، تو امت کے ساتھ تولنے پر بھی میرا پلڑا بھاری رہا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:۱، ص:۲۷)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوسرے انبیاء و رسل پر امتیازات تو بے شمار ہیں، ان میں سے یہاں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ کریں:

(۱) آپ کی دشمنوں کے مقابلہ میں ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ نصرت و امداد کی گئی۔

(۲) آپ کو جامع کلمات عطا کئے گئے۔

(۳) آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔

(۴) مغیبات خمسہ کے علاوہ ہر شئے کا علم بخشا گیا، بعض ائمہ کے نزدیک ان پانچوں مغیبات کا علم بھی عطا کر دیا گیا، حتیٰ کہ روح کا علم بھی مگر اسے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہوا۔

(۵) دجال لعین کے حالات آپ پر کھول دیئے گئے جب کہ دیگر انبیاء پر یہ راز منکشف نہ ہوا۔
(۶) آپ کا نام اقدس احمد رکھا گیا۔
(۷) حضرت اسرافیل علیہ السلام نے آپ کی بارگاہ میں حاضری دی۔
(۸) نبوت وسلطنت دونوں کو آپ کے لئے یکجا کر دیا گیا۔
(۹) تلوار وسلطنت کا اجتماع بھی آپ کی فضیلت ہے۔
(۱۰) قوت وطاقت میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔
(۱۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالی پیٹ سوتے اور صبح شکم سیر اٹھتے۔
(۱۲) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طہارت کا ارادہ فرماتے اور پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے انگشتان مبارک دراز کرتے تو ان سے پانی رواں ہو جاتا۔
(۱۳) زمین آپ کے قدموں کے سامنے سمٹ جاتی۔
(۱۴) آپ کی پشت مبارک سے بارگراں اتار دیا گیا۔
(۱۵) آپ کا ذکر مبارک بلند کیا گیا۔
(۱۶) آپ کو شرح صدر کا اعزاز ملا۔
(۱۷) اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام اقدس کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔
(۱۸) حالت حیات میں آپ کو مغفرت کی نوید جاں فزا سنائی۔
(۱۹) آپ حبیب الرحمان اور ''سردار بنی آدم'' ہیں۔
(۲۰) آپ اللہ کی بارگاہ میں تمام خلائق سے زیادہ معزز ومکرم ہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین، جلد:۱،ص:۷ ۱۳-۸ ۱۳)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر وصف میں بے نظیر ہیں، مملکت الٰہی کے وہ تنہا فرماں رواں ہیں، ان کی بادشاہت کائنات کے ہر ذرّے پر مسلم ہے، ان کی اطاعت ومحبت نجات کی ضامن ہے، ہر مخلوق آپ کی رعایا اور غلام ہے، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

ملک کونین میں انبیاء تاجدار
تاجداروں کا آقا ہمارا نبی

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
سارے اچھوں سے اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی
سارے اونچوں سے اونچا سمجھئے جسے
ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
ہم بھیکاری وہ کریم ان کا خدا ان سے فزوں
اور نا کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

چاند شق ہو، پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں
بارک اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے

(حدائق بخشش)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! میں اولادِ آدم کے بہترین زمانوں میں قرن درقرن منتقل ہوتا ہوا اس زمانے میں مبعوث ہوا جس زمانہ میں اب ہوں۔ (بخاری شریف)
حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا، پھر کنانہ میں سے قبیلہ قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش میں سے ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمالیا۔ (مسلم)
ابونعیم اور طبرانی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت

کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا! میں نے زمین کے مشرق، مغرب الٹ پلٹ کر دیکھے۔ مجھے کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل نظر نہ آیا، نہ کوئی گھرانا بنو ہاشم سے بہتر پایا، حافظ ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ صحت حدیث کی روشنیاں متن کے صفحات پر جلوہ گر ہیں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد: ۲، ص: ۷۰-۷۱)

اس حدیث کے تحت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؂

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے تیرے پایہ کا نہ پایا

(حدائق بخشش)

یعنی مذکورہ بالا تمام شواہد سے اس بات کی بھرپور توثیق ہوتی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلائق میں سب سے بہتر، سب سے افضل، سب کے مولیٰ اور پیش خالق سب سے محبوب تر ہستی ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک جس کو جو کچھ ملا ہے اور ملے گا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے وسیلے سے، انہی سارے شواہد کی روشنی میں قدسیؔ نے تحریر کیا ہے ؂

آقا کی طرح دہر میں ذی جاہ نہیں ہے
مملوک ہیں سب ان کے کوئی شاہ نہیں ہے
سب سے یہی کہتا ہے یہ میدانِ قیامت
آج ان کی شفاعت کے سوا راہ نہیں ہے
جب تجھ پہ ہیں وہ سایہ فگن قدسیؔ احقر
پھر حشر بھی تیرے لئے جانکاہ نہیں ہے

سارے نبیوں کے مراتب ہیں مسلم قدسیؔ
میرے آقا کی طرح ان میں کمالات کہاں

قدسیؔ کی پختہ کاری اور بالغ نظر کے شواہد ان کے کلام کے ہر لفظ سے مترشح ہے۔ کاغذ کے سینے پر جانِ جانانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی جو مینا کاری انہوں نے کی ہے ان کے ہمعصروں میں اس کی مثال بہت مشکل سے ملے گی، وہ نعتیہ فکر کو ہر فکر سے افضل تسلیم کرتے ہیں۔ خود لکھتے ہیں ؎

نعت گوئی کی طرح دنیا میں
شاعری، فکر و فن خیال کہاں

نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی

نعت گوئی عبادت ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء ورسل مبعوث ہوئے سب کا شمار نعت خوانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہوتا ہے، خود خالقِ کائنات اپنی شان کے مطابق اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیان فرماتا ہے، قرآن حکیم کے تیس پارے اس کے گواہ ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ جب کچھ نہیں تھا صرف اور صرف خدا تھا۔ اس وقت بھی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بیانی ہوتی تھی اور جب کچھ نہ ہوگا صرف خدا ہوگا۔ اس وقت بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا رہے گا، اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ نعت گوئی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔

نعت گوئی میں ہوتا کیا ہے؟ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات، اختیارات وتصرفات اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ اداؤں (آپ کی ہر ادا پاکیزہ ہے) کو شعر کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے۔ اگر انہیں چیزوں کو کوئی نثر میں بیان کرتا ہے تو اسے بھی نعت گو کی صف میں شمار کیا جائے گا۔

نعت گوئی کو خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں لاتے تھے تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لئے مسجد نبوی شریف میں منبر

بچھواتے تھے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر کھڑے ہوکر نعت سنایا کرتے تھے اور آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دعاؤں سے فیضیاب فرماتے تھے "اللھم ایدہ بروح القدس" اے اللہ حسان کی روح القدس کے ذریعہ امداد فرما، نعت خوان دربارِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اور بھی صحابہ کے اسماء آتے ہیں۔ سب کے سب دعاؤں سے نوازے جاتے تھے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کچھ اشعار ذیل میں ملاحظہ ہو۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ کوئی زمانہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعت خوانوں سے خالی نہیں رہا اور جس کی نعت گوئی کو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سند قبولیت مل گئی ہے۔ اسے بے پناہ انعام واکرام سے بھی نوازا گیا ہے، اس سلسلے میں روایات کثرت سے ملتی ہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ فالج کے شکار ہوئے، کوئی دوا اور کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا، مجبور ہوکر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں قصیدہ تحریر کیا، وہ قصیدہ بارگاہ رسالت میں مقبول ہوا یعنی نصیبہ بیدار ہوگیا، خواب میں اس قصیدے کو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جسم پر اپنا دست شفقت پھیرا اور انعام کے طور پر ایک چادر بھی عطا کی۔ جب آنکھ کھلی تو اپنے کو ہر طرح سے صحت یاب پایا اور چادر شریف بھی سامنے رکھی ہوئی دیکھی۔ اسی لئے اسے قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔ اس قصیدہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دنیا کے مختلف بلاد وامصار میں بلاناغہ پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے بھی دربارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ حصہ ضرور پاتے ہیں۔ اسی لئے قدسیؔ رقمطراز ہیں ؎

شاہد ہے اس پہ حضرتِ حسان کا عمل
نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی

قدسیؔ مجھے کریں گی عطا امنِ اخروی
افکارِ نعتیہ کی یہ انجمن کی نکہتیں

قدسیؔ میں شاعری میں گزاروں نہ وقت کیوں
افکارِ نعت مصطفی اشغالِ دین ہیں

نعت گوئی کا قدسیؔ یہ فیضان ہے
پھیلتی جارہی ہے قلم کی ہوا

لپٹی ہے ہر اک لفظ سے کونین کی نعمت
قدسیؔ یہ فقط نعتیہ دیوان نہیں ہے

کمالات ان کی زباں کے عجب ہیں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پاک میں جو شیرینی، مٹھاس اور حلاوت تھی اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر وصف میں لاشریک تھے، دشمن بھی آپ کی زبان کی اثر پذیری کے قائل تھے، جو شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کو سن لیتا وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا، اعلانِ نبوت و رسالت کے بعد کفار مکہ شدید اضطرابی کیفیت سے دوچار تھے، انہیں ایک غم یہ تھا کہ ان کے خود ساختہ خداؤں کا بھرم ٹوٹ رہا ہے۔ دوسرے ان کا اپنا مذہبی رکھ رکھاؤ ختم ہورہا ہے، تیسرے آقا و غلام، چھوٹے اور بڑے، ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز مٹائی جارہی ہے۔ یہی وہ اسباب تھے جن کے باعث وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے تھے، کفار مکہ آپ کی زبان مبارک کی حلاوت سے بھی حد درجہ خائف تھے، وہ دیکھتے تھے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے باتیں کرلیتا ہے انہیں کا ہوجاتا ہے۔ اس لئے ان کی پوری کوشش ہوتی کہ کوئی آپ سے ملنے نہ پائے۔ باہر سے جو وفود مکہ آتے ان پہ ان کی سخت نگاہ ہوتی، ان وفود پر پہرے لگا دیئے جاتے، ایام حج میں اس تعلق سے اور شدت آجاتی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب بھی کسی وفد کے آنے کی خبر ملتی آپ اس وفد سے

ملنے کی کوشش فرماتے تا کہ دین کی دعوت ان کے سامنے پیش کی جائے۔ کفار مکہ اس بات سے پریشان ہوتے کہ اگر کسی وفد نے ان کی باتیں سن لیں اور ان کی دعوت کو قبول کر لیا تو ان کا پیغام مکہ سے باہر عام ہونے لگے گا، اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی کسی وفد سے ملنے کے لئے گھر سے نکلتے تو کفار مکہ پہلے سے جا کر آپ کے خلاف وفد کے کان بھر دیتے، پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا دعوتی کام کر جاتے۔ لوگ آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور جب آپ ان سے گفتگو فرماتے تو لوگ ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی باتوں کو سنتے اور اس کا اثر لئے بغیر نہ رہتے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان کی اثر پذیری کے حوالے سے اصغر علی چودھری لکھتے ہیں:

ان کے مخالفین کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت بڑی پرکشش اور جاذب ہے۔ ان کا کلام اپنی شیرینی، فصاحت و بلاغت اور حسنِ ادا و حسن معانی کی وجہ سے سامعین کو متاثر کرنے کی زبردست قوت اور کشش رکھتا ہے، قرآن مجید کی تاثیر سے بھی وہ بہت مرعوب تھے لیکن اس کا اعتراف کرنے سے کتراتے تھے، ان لوگوں کو یہ خطرہ ہر وقت لاحق رہتا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوت حق کی تبلیغ سے نہ روکا گیا تو ایک وقت ایسا بھی آجائے گا جب کثرت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے اس لئے وہ ایسی تجویزیں سوچتے رہتے تھے جن پر عمل کر کے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔''

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص: ۸۲)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سے جب کفار مکہ شدید عاجز ہو گئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک نمائندہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جائے اور ان کی رائے معلوم کی جائے، نمائندگی کے لئے کفار مکہ نے 'عتبہ بن ربیعہ' کو منتخب کیا۔ اس لئے کہ وہ تمام اصناف سخن کے نشیب و فراز سے خوب اچھی طرح واقف تھا، عتبہ بن ربیعہ نے عمائدین مکہ کے فیصلے کو تسلیم کیا اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر

ہوا۔ اس نے آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی باتیں رکھیں اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی باتیں سننے کے بعد قرآن حکیم کی کچھ آیتیں سنائیں، جب عتبہ بن ربیعہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے واپس آیا تو عمائدین مکہ کے سامنے اس نے جو بیان دیا وہ کچھ اس طرح ہے:

خدا کی قسم میں نے ایک ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا، بخدا نہ یہ شعر ہے، نہ سحر نہ کہانت۔ اے اہل قریش میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو، میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام رنگ لاکر رہے گا۔ فرض کرو اگر عرب اس پر غالب آگئے تو اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے لیکن اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔''

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص: ۹۲)

حضرت ضماد کا شمار قبیلۂ بنو ازد کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ بڑے حلیم اور بردبار تھے۔ وہ اکثر مکہ آتے رہتے تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے دوستوں میں تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد جب مکہ ان کی تشریف آوری ہوئی تو اہل مکہ نے انہیں بتایا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنون کے شکار ہو گئے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت ضماد کو شدید افسوس ہوا، انہوں نے اہل مکہ سے بتایا کہ میں ابھی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا کر جنون ٹھیک کر دیتا ہوں چنانچہ وہ اہل مکہ کی مجلس سے اٹھے اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہو گئے، آقائے کائنات نے انہیں دیکھا تو آپ کو بے پناہ مسرت ہوئی۔ کچھ دیر تک آپس میں یونہی رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر حضرت ضماد گویا ہوئے:

''میں نے سنا ہے کہ آپ کو جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں اگر واقعی ایسا ہو گیا ہے تو میں ابھی جھاڑ پھونک کا کرشمہ دکھاتا ہوں، آپ فوراً ٹھیک ہو جائیں گے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام ستائش اللہ کے لئے ہے، ہم اسی کی ستائش کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں جسے اللہ

ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا غلط راستہ پر ڈال نہیں سکتا اور جسے اللہ
راستے سے پھرا دے اسے کوئی ہدایت کرنے والا سیدھے راستے پر نہیں
ڈال سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یگانہ و یکتا
ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور
رسول ہیں، ضماد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ کلام سن کر مبہوت رہ گئے۔انہیں جھاڑ
پھونک کرنے کا ہوش تک نہیں رہا۔ انہوں نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
اصرار کر کے تین بار یہ کلام سنا اور بے اختیار بول اٹھے:
خدا کی قسم میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا۔ میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے،
شاعروں کا کلام سنا ہے، ساحروں کا کلام سنا ہے مگر ایسا کلام نہیں سنا۔ یہ تو
سمندر کی تہہ تک پہنچتا ہے۔
پھر انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے
آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص: ۱۴۰-۱۴۱)

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام سے پہلے یہود کے بہت بڑے عالموں میں شمار ہوتا تھا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد جب ان کی مکہ آمد ہوئی تو کفار مکہ نے انہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ساری تفصیل بتائی اور کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتوں میں بڑی حلاوت ہے، جو ان کی باتیں سن لیتا ہے وہ انہیں کا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کی کوشش یہ رہے کہ ان کی باتیں آپ کے کان تک نہ پہنچیں، کفار مکہ کے کہنے کے مطابق آپ نے یہ راستہ اپنایا کہ جب مکہ کی گلیوں سے گزرتے تو اپنے کانوں میں روئی ڈال لیتے تا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز آپ کے کانوں تک نہ پہنچے۔ لیکن انہیں یہ عمل اچھا نہ لگا، انہوں نے دل میں سوچا کہ میں خود عالم ہوں، اصناف شعری سے واقف ہوں اور اچھی بری باتوں میں تمیز کی صلاحیت ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے کانوں سے روئی نکال پھینکا، ایک روز وہ حضور سید عالم

کے قریب سے گزرے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن حکیم کی تلاوت فرمارہے تھے۔ جیسے ہی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز آپ کے کانوں سے ٹکرائی آپ ٹھہر گئے اور کچھ دیر تک بغور سنتے رہے، پھر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہوئے، حضور نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور آپ نے بخوشی قبول کرلیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کے تعلق سے اس طرح کے بہت سارے واقعات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ قدسیؔ نے ایسے ہی واقعات کی روشنی میں یہ شعر کہا ہے ؎

کمالات ان کی زباں کے عجب ہیں
کہ گرویدہ مخلوق میں سب کے سب ہیں

کون کرتا ہے مالا مال کہاں

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در پاک سے کبھی کوئی سائل بے مراد نہیں لوٹا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وسخا اور داد ودہش کا سمندر ہر وقت موجزن رہتا، آپ سائل کو اتنا دیتے کہ اس کا دامن تنگ ہو جاتا۔ اس حوالے سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا

(حدائق بخشش)

جود وسخا لغت میں ہم معنی ہیں، اس کی تائید قاموس سے ہوتی ہے۔ ''قاموس'' میں ہے جود، سخا اور سخا، جود ہے، ''صراح'' میں جود وسخا جواں مردی کے معنی میں آیا ہے، 'جود' کی ضد 'بخل' ہے اور 'بخل' اکتسابی عمل ہے، ہر سخی جواد ہے اور ہر جواد سخی نہیں، جواد اسے کہتے ہیں جو بغیر کسی غرض کے داد ودہش کرے اور یہ صفتِ کریمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لئے کہ

اللہ تعالیٰ بغیر کسی غرض کے اپنے بندوں کو ظاہری و باطنی اور حسی و عقلی کمالات عطا فرماتا ہے اور رب کائنات کے بعد سب سے بڑے جواد ہمارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد علمائے کرام ہیں۔ اس کی تائید میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے: اللہ اجود جودا ثم انا اجود بنی آدم واجودھم من بعدی رجل علم علما ونشرہ۔

اللہ سب سے بڑا جواد ہے۔ پھر بنی آدم میں سب سے بڑا جواد میں ہوں اور میرے بعد بنی آدم میں وہ مرد جو علم کو سکھائے اور اسے پھیلائے۔ (مدارج النبوۃ، ج:۱،ص:۹۱)

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس عنوان کے تحت کرم اور سماحت کو زیادہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جود و کرم، سخاوت اور سماحت ان سب کے معنی قریب قریب ہیں، مگر علماء فرق کرتے ہیں، تفصیل کے لئے ''مدارج النبوۃ'' جلد اول دیکھئے، حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام ایسے اخلاق وصفات جن سے سب واقف ہوتے تھے، اس میں کسی کے ساتھ ہمسری و برابری نہ کی جاتی تھی۔

بخاری و مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، بہادر اور اجود تھے۔ اس کی وجہ سے آپ کی ذات اشرف نفوس اور آپ کا مزاج سب سے زیادہ معتدل المزاج تھا اور جو ان خوبیوں سے متصف ہو اس کا فعل احسن افعال، اس کی صورت اسلح اسکال اور اس کا خلق احسن اخلاق ہوگا، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ جسمانی و روحانی کمالات کے جامع اور خوبصورتی و خوب سیرتی پر حاوی تھے اور سب سے زیادہ کریم، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جود والے تھے۔ (مدارج النبوۃ، ج:۱،ص:۹۲)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجود الناس (بالخیر) وکان اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبرئیل وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان (فیسلخ) فیدارسہ

القرآن (فاذا لقیہ جبرئیل) کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت سب سے زیادہ رمضان میں ہوتی تھی۔ جب جبرئیل ملاقات کرتے تو وہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرکے قرآن کا دور کیا کرتے، یہ سلسلہ رمضان کے ختم ہونے تک رہتا، جب جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے اس وقت آپ بہتی ہوا سے بھی زیادہ خیر رساں ہوتے۔

(۱) صاحب نزہۃ القاری نے اس حدیث پاک کی بڑی نفیس تشریح فرمائی ہے، آپ لکھتے ہیں کہ

> **اجود الناس:** اجود، جود کا اسم تفضیل ہے، جود کے معنی "**اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی**" کسی کو اس کے لائق کوئی چیز دینا، اسی کو سخاوت بھی کہتے ہیں، اجود الناس کے معنی ہوتے ہیں سب لوگوں سے زیادہ سخی، اس حدیث میں 'اجود الناس' فرمایا، اور 'ناس' اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے، مگر اسے لازم ہے پوری مخلوق سے زیادہ سخی ہونا، جب تمام انسانوں سے زیادہ سخی ہیں تو تمام مخلوقات سے بدرجہ اولیٰ زیادہ سخی ہوئے
>
> (۲) رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کی سخاوت اور بڑھ جاتی تھی، یعنی آپ بلا استثنا سارے جہاں سے زیادہ سخی تھے، مگر رمضان میں دوسرے دنوں کی بہ نسبت اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان موسمِ رحمت ہے، ان دنوں رحمت الٰہی کا نزول بہ نسبت دوسرے دنوں کے زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا، اس کا اول رحمت اور اوسط مغفرت اور آخر جہنم سے آزادی ہے اور فرمایا، رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر (۷۰) فرض کے برابر اور نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے۔ امام زہری نے فرمایا: رمضان میں ایک تسبیح دوسرے دنوں کی ستر تسبیح کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا: رمضان کی ہر رات میں دس لاکھ جہنم سے آزاد

ہوتے ہیں۔
رمضان میں سخاوت کی زیادتی اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی جب جبرئیل ملاقات کرتے، جبرئیل رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وہ قرآن مجید کا دور کرتے یعنی کبھی حضور پڑھتے اور جبرئیل سنتے، کبھی جبرئیل پڑھتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے۔ عمر مبارک کے اخیر سال قرآن مجید کا دومرتبہ دور فرمایا۔ بقیہ سال ایک بار ہوتا۔ اس وقت جو دونوال کی زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ جبرئیل کی تین خصوصیت تھی (۱) ایک تو حضور کے محب خاص تھے۔ (۲) دوسرے فرشتہ مقرب بلکہ سید الملائکہ تھے۔ (۳) تیسرے یہ کہ رب العالمین کے فرستادہ تھے۔ یہ تین خصوصیات تو وہ ہیں جو جبرئیل میں ہمیشہ پائی جاتی تھیں۔ مگر اس وقت خاص خصوصیت یہ ہوتی کہ کلام ربانی قرآن مجید کا دور کرنے آتے۔ ان وجوہ کی بنا پر مسرت در مسرت جتنی حاصل ہوتی رہی ہوگی وہ حضور ہی جانیں۔ اس سبب سے دریائے کرم پورے جوش پر ہوتا۔
غور کریں تو یہاں تین سبب اس کے محرک تھے۔ ایک رمضان جو اللہ عزوجل کی انگنت نعمتوں کی برسات کا موسم ہے۔ دوسرے جبرئیل کی ملاقات کی یہ مزید نعمت ہے۔ خصوصاً جبرئیل کی ان خصوصیات کی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئیں خاص کر رب العالمین کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے۔ تیسرے قرآن کا دور جن سے قرآن کریم کے نئے نئے اسرار و معارف کا فتح باب ہوتا، ان نعمتوں کے شکریئے میں زیادہ سے زیادہ جودوکرم فرماتے۔
ہر سال رمضان میں یہ دور اس لئے ہوتا کہ رمضان المبارک ہی کی سب سے متبرک رات شب قدر میں پورا قرآن جبرئیل امین لوحِ محفوظ سے اخذ کر کے آسمان دنیا کی طرف یعنی پہلے آسمان پر لائے۔ وہاں فرشتوں کو لکھا دیا۔ فرشتوں نے قرآن کو موجودہ ترتیب کے ساتھ لکھ کر بیت العزت میں

محفوظ کر دیا۔ یہ پہلے آسمان میں ایک متبرک جگہ کا نام ہے۔ پھر حسب اقتضاء حکمت وحکم ربانی وہاں سے جبرئیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس (۲۳) سال کی مدت میں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں حدیث حرا میں گزرا کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء ۱۷؍رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ رحمت الٰہی رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ متوجہ رہتی ہے۔

اس حدیث کا حسنِ ترتیب ملاحظہ کریں۔ پہلے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے جہاں سے بڑھ کر جواد تھے۔ پھر ترقی کر کے فرمایا کہ رمضان میں جود ونوال دوسرے ایام کے بہ نسبت زیادہ ہوتا۔ پھر اور آگے بڑھے اور فرمایا کہ جب جبرئیل امین رمضان کی رات میں آکر دورۂ قرآن کرتے تو پھر جود ونوال کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

(۳) آخر میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ ہوا کتنی فراواں اور کتنی ضروری ہے یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر منٹ ہوا کی احتیاج ہے اور فراواں اتنی کہ کہیں بھی ہو بقدر ضرورت موجود۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ موجود مگر کوئی کمی نہیں۔ تو ہوا سے بڑھ کر کون سخی۔ فرماتے ہیں ہوا کی سخاوت تمہیں معلوم ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ رکی ہوئی ہوا میں وہ بات کہاں جو بہتی ہوئی ہوا میں ہے۔ مگر قربان اس جواد اعظم کے کہ بہتی ہوئی ہوا بھی اس کی دریوزہ گر۔ (نزہۃ القاری، جلد:۱، ص:۲۱۶)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سائل کو رَد نہ فرماتے۔ اگر کوئی چیز نہ ہوتی تو فرماتے ہمارے نام پر قرض لے لو۔ جب ہمارے پاس کچھ آجائے گا تو ادا کر دیں گے۔ ایک مرتبہ ایک سائل آیا فرمایا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم

جاؤ قرض لے لو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا مکلف نہیں بنایا جو آپ کی مقدر میں نہ ہو۔ حضرت عمر کی یہ بات حضور کو ناگوار معلوم ہوئی۔ پھر ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! خوب داد و دہش فرمایئے اور مالک عرش سے (کمی) کا خوف نہ کھایئے تو حضور نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت، تازگی اور خوشحالی نمودار ہوگئی اور فرمایا مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔

صاحب ترمذی روایت کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں نوے ہزار درہم لائے گئے۔ آپ نے انہیں چٹائی پر رکھ کر تقسیم کرنا شروع کر دیا اور کسی سائل کو محروم نہ رکھا۔ یہاں تک کہ سب تقسیم فرما دیئے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال لایا گیا، آپ نے فرمایا اسے مسجد میں پھیلا دو، پھر آپ مسجد سے باہر تشریف لے آئے اور اس مال کی طرف نظر تک نہ ڈالی اور جب واپس تشریف لائے تو نماز سے فارغ ہو کر مال کے نزدیک تشریف فرما ہوئے اور ہر کسی کو وہ مال عطا ہوا، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بھی اس مال میں سے عنایت فرمایئے، کیونکہ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے، حضور نے ان کی چادر میں اتنا بھر دیا کہ وہ اٹھا نہ سکتے تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کسی کو فرمایئے کہ اسے میرے لئے اٹھا کر لے چلے۔ فرمایا نہیں اے چچا جتنا تم اٹھا سکتے ہو اٹھا لو، یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طمع کے مادہ کو فنا کرنے اور ان کی تہذیب و تادیب کے لئے تھا، پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کندھے پر اٹھا کر چل دیئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھتے رہے اور ان کے حرص پر تعجب فرماتے رہے، پھر جب حضور اٹھے تو ایک درہم بھی باقی نہ رہا تھا، ابن

ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ یہ ایک لاکھ درہم تھے جسے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے بحرین کے خراج سے بھیجا تھا اور یہ پہلا مال تھا جو حضور کی خدمت میں لایا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جود وسخا کے اثر کا ظہور اور ابواب کرم و بخشش کا فتوح حنین کے دن حد وشمار اور حصر وقیاس سے زیادہ تھا، کیونکہ اس دن ہر عربی کو سوسو اونٹ اور ہزار ہزار بکریاں ملی تھیں، اس دن کی بیشتر عطا تالیف قلب کے لئے تھی تاکہ ضعیف الایمان اشخاص دنیاوی امداد کے ذریعہ دین میں ثابت قدم ہو جائیں، صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی زمرہ کے ایک فرد تھے، انہیں پہلے سو بکریاں دوبارہ سو بکریاں پھر سہ بارہ سو بکریاں دی گئیں۔ ''واقدی'' کی کتاب ''المغازی'' میں منقول ہے کہ اس دن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اونٹ، بکریوں سے ان کی وادی بھر گئی تھی، اس پر صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا بخشش وعطا میں کوئی اتنی جواں مردی نہیں کرسکتا، لہٰذا اس عطا کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کفر کا علاج فرمایا جو ان میں تھا، ابوسفیان بن حرب اور اس کے بیٹے بھی انہیں مولفۃ القلوب میں سے تھے، چنانچہ ابوسفیان آئے اور کہا یارسول اللہ، آج قریش میں سب سے زیادہ مالدار آپ ہی ہیں، اس مال میں سے کچھ ہمیں بھی عطا فرمایئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ انہیں دے دو، ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرے بیٹے یزید کا بھی حصہ عنایت فرمایئے، ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام اسی نام پر یزید رکھا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دوبارہ اس کے حصے میں عنایت فرمائے۔ پھر ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرے دوسرے بیٹے معاویہ کا بھی حصہ عنایت ہو تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزید اتنا ہی مال اور مرحمت فرمایا، حضرت ابوسفیان عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، خدا کی قسم جنگ کے زمانے میں بھی آپ کریم تھے اور امن کے زمانے میں بھی آپ کریم ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ضرورت مند محتاج کو ملاحظہ فرماتے تو اپنا کھانا پینا تک اٹھا کر عنایت فرما دیتے حالانکہ اس کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی، آپ عطا و تصدق میں تنوع فرمایا کرتے، کسی کو ہبہ فرماتے، کسی کو حق دیتے، کسی کو بار قرض سے چھڑاتے، کسی کو صدقہ دیتے، کسی کو ہدیہ فرماتے اور کبھی کپڑا خریدتے اور اس کی قیمت ادا کر کے اس کپڑے والے کو وہی کپڑا بخش دیتے اور کبھی قرض لیتے اور مبلغ سے زیادہ عطا فرما دیتے اور کبھی کپڑا خرید کر اس کی قیمت سے زیادہ رقم عنایت فرما دیتے اور کبھی ہدیہ قبول فرماتے اور اس سے کئی گنا انعام عطا فرما دیتے۔

(مدارج النبوۃ، جلد:۱،ص:۴)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جود و عطا کی تاریخ انسانی میں کوئی نظیر نہیں ملتی، جود و سخا کی یہ بارش آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات ہی تک محدود نہیں بلکہ آج بھی آپ کے در پاک پر محتاجوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، ہر سائل اپنی خواہش سے سوا پاتا ہے۔ کوئی اپنا کشکول تمنا خالی لے کر نہیں لوٹتا، بلکہ آپ کی سرکار وہ سرکار ہے کہ جو جہاں سے سوال کرتا ہے۔ وہی اپنی مراد پاتا ہے۔ قرب و بعد کوئی معنی نہیں رکھتے، یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ جو جس زبان میں سوال کرتا ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے عطا فرماتے ہیں، رب کائنات نے آپ کو قاسم نعمت بنایا ہے، خود فرماتے ہیں "**اللہ معطی انا قاسم**" اللہ

دینے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں، انہیں واقعات کے تناظر میں قدسیؔ رقمطراز ہیں ؎

ایک ان کے سوا دوعالم میں
کون کرتا ہے مالامال کہاں

کیوں کسی اور سے رکھیں امید
ان سے ہم کو ملی امداد بہت

سائل ہے ان کے در پہ خلائق کا کارواں
ان کے کرم کے چرخ پہ ہر آنکھ جڑ گئی
کوئی سنتا ہی نہیں ان کے سوا
سب سے کرتے رہے فریاد بہت

موسلادھار یہ بارانِ فلک بول پڑا
ان سا فیاض کہاں فیض کی برسات کہاں

بن مانگے وہ دیتے ہیں غلاموں کو ہمیشہ
اس طرزِ عنایت سے عنایت ہوئی محظوظ

جب قاسم نعمت ہیں خدا کی وہ عطا سے
پھر کس پہ بھلا شاہ کا فیضان نہیں ہے

لینا ہے جس کو لے لے درِشاہِ دین سے
بٹتی ہے صبح و شام عنایت کی روشنی

شاہد ہے ''انما انا قاسم'' حدیثِ پاک
بندے تمام رب کے انہیں کے رہین ہیں

ہے ابرِ کرم دیکھ کر محوِ حیرت
شہ دو جہاں کی عنایت کی بارش

بارگاہِ شہ عالم کے علاوہ قدسیؔ
ہم نے ہر ایک کے دروازے پہ تالے دیکھے
سوتے کرم کے پھوٹ پڑیں گے ترے لئے
جا مانگ ان سے مانگ مری مان ایک بار

نعمتیں ان کی مسلسل ہیں رواں
تنگ ہیں اپنے ہی داماں لکھ دے

اظہار سے لپٹی رہی تکمیلِ تمنا
اس در پہ کبھی حرفِ مکرر نہیں دیکھا

ہر شئے پہ ان کی جود و عطا کا مدار ہے
ان کے طفیل گردشِ لیل و نہار ہے

قدسیؔ ہو شکر کیسے ادا اپنے شاہ کا
جود و عطا سے پُر میرا دامن بنا دیا

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جود وعطا اور داد و دہش کے تعلق سے قدسیؔ کے دواوین میں اور بھی اشعار ملتے ہیں۔ اگر سب یکجا کر دیئے جائیں تو اچھا خاصا انتخاب تیار ہوسکتا ہے۔ قدسیؔ کے باغ فن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور سب کا رنگ و روپ ایک دوسرے سے جداگانہ ہے، انہوں نے عشقِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو چمن سجایا ہے۔ اس کی خوشبو سے نسلیں معطر ہوتی رہیں گی اور ان کے چراغِ عشق سے روشنی پھیلتی رہے گی، ان کے نعتیہ دواوین مریضانِ عشق کے لئے دارالقرار کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں انہوں نے محبت کے نت نئے پھول کھلائے ہیں وہیں مقصدیت سے غافل ذہنوں کو عمل کی دہلیز بھی عطا کی ہے، قدسی بذات خود شریعت وطریقت کے حسین سنگم ہیں، یہ چیزیں انہیں وراثت میں ملی ہیں، ان چیزوں کو برتنے میں وہ بڑے حریص واقع ہوئے ہیں، ایسے دور میں جب دنیا چند سکوں میں اپنے ضمیر کا سودا کر لیتی ہے، اس تعلق سے ان کا تصلب فی الدین یقینا قابل صد احترام ہے، وہ امریکہ جیسے ترقی پذیر ملک میں رہنے کے باوجود اپنے مذہبی اور مشربی اصولوں کی شفافیت کو دنیوی آلائشوں سے بہت حد تک بچائے ہوئے ہیں، جو لوگ مغربی دنیا کا رخ کرتے ہیں ان کی اکثریت چند سالوں میں اپنا فطری رنگ وروپ بدل لیتی ہے، مذہبی پابندیوں سے آزاد ہونے کے نت نئے بہانے ڈھونڈا کرتے ہیں، لیکن قدسیؔ جہاں بھی ہوتے ہیں مذہبی اور مسلکی اصولوں کی بحالی ان کے مقاصد میں ترجیحی حیثیت رکھتے ہیں، امریکہ کے جس شہر میں وہ قیام پذیر ہیں وہاں کے ماحول پر انہوں نے اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، ہمیں مختلف ذرائع سے اس کے واضح شواہد ملے ہیں، مذہب و مسلک کے حوالے سے ان کے یہاں جو شفافیت پائی جاتی ہے اس کی نظر بمشکل پیش کی جاسکتی ہے۔

قدسیؔ نے اس چیز کا اظہار اشعار کی شکل میں بھی کیا ہے، نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کریں ؎

رب کے حضور وہ کبھی بخشا نہ جائے گا
کرتا ہے دین میں جو طبیعت سے اختراع

حلق سے جس کے نہ اترے قرآں
ایسے عالم کی جہالت ظاہر

تو ڈھال زندگی کو نشانِ حسین پر
اک بحرِ درس واقعۂ کربلا میں ہے

ہم شرعِ مصطفی کے ضوابط کی تیغ سے
جملہ مفاسدات کے سر کو قلم کریں

سانچے میں شریعت کے جو ڈھل جائے سراپا
وہ چرخِ کرامات کا مہتاب رہے گا

آغوش میں لے لے گی اسے رحمت باری
جو حق کے لئے پیکرِ ایثار رہے گا

جو شریعت کے سانچے میں ڈھلتا رہے
اس کی خاطر گناہوں کا اجگر ہے ہیچ

ان کے کردار کی خوشبو سے معطر ہو حیات
تم کو پانا ہے اگر جاہ و حشم کا رستہ

ڈھل کے سرکار کی شریعت پر

دیکھئے وا نعم کا دروازہ

نہیں بخشے گا اس عالم کو علم اس کا
جو میدانِ عمل میں لاابالی ہے

ملحوظ ہو اصولِ شریعت اگر تمہیں
پھر آسمانِ فیض ہے نعمت ہے زندگی

خود کو جھکادے ان کی اطاعت میں سربسر
احکامِ شرع پر نہ کوئی قیل و قال کر
شریعت کو ترجیح دی جس نے جاں پر
وہ جاں باز ہے اور عزیمت سراپا

کرتے رہتے ہیں جو کتمانِ حق
ایسے ملاؤں کو خائن لکھنا

وظیفہ شاہِ دوعالم کے نام کا پڑھ کر

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جتنے اسمائے گرامی ہیں، رب کائنات نے ان میں بڑی برکت، حلاوت اور اثر وتاثیر رکھی ہے، پریشاں حال ہر زمانے میں ان اسمائے مبارکہ سے توسل اور استعانت کرتے رہے ہیں، جہاں تک استعانت و استغاثہ کی بات ہے یہ صرف عام انسانوں تک محدود نہیں بلکہ اس صف میں انبیاء ورسل کی ذوات مقدسہ بھی شامل ہے، صاحب مواہب الدنیہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی تعداد چارسو سے زائد بتائی ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے آپ کے اسماء کی تعداد بارہ سو بتائی ہے، ان اسمائے مبارکہ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور احمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے، کتب احادیث و کتب سیر میں ان دو اسماء کے بڑے فضائل و مناقب آئے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی کچھ تفصیل پیش کرتے ہیں:

صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تخلیق کائنات سے ایک ہزار سال پہلے رکھ دیا تھا، پھر جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکھا۔ جب یہ نام پاک لوگوں میں عام ہوا تو اہل مکہ نے حضرت عبدالمطلب سے سوال کیا؟ کہ آپ نے اپنے پوتے کا نام ایسا کیوں رکھا ہے کہ اس کے پہلے یہ نام آپ کے خاندان میں کسی کا نہ رکھا گیا ہے تو حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں نے اپنے پوتے کا نام یہ اس لئے رکھا ہے کہ ساری دنیا اس کی تعریف و توصیف کرے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معنی بھی یہی ہیں جس کی ہر وقت تعریف و توصیف کی جائے۔

بیہقی اور حاکم نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوگئی (خطائے اجتہادی) تو دعا کی، پروردگار میں تجھ سے بحق محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخشش کا طلب گار ہوں، فرمایا اے آدم تو نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے ان کو ابھی پیدا نہیں کیا، عرض کیا اے پالنہار! جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میرے جسم میں روح پھونکی تو میں نے سر او پر اٹھایا، مجھے عرش کے پایوں پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا نظر آیا تو مجھے علم ہوا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اس ہستی کا نام ملایا ہے جو تجھے سب مخلوق سے زیادہ پیاری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے آدم تو نے سچ کہا ہے، بے شک مجھے وہ سارے جہاں سے زیادہ محبوب ہے۔ تو نے ان کے وسیلہ سے بخشش طلب کی ہے،

لہٰذا میں نے تیری لغزش معاف کردی ہے، اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔

ابن عساکر نے حضرت کعب بن احبار سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا: **یا بنی انت خلیفتی من بعدی** کہ میرے بعد تو میرا خلیفہ ہوگا، یعنی تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شعار بنانا۔ **وکلما ذکرت اللہ فاذکروا الی جنبہ اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**۔ اور جب بھی تو اللہ کا ذکر خیر کرے تو اس کے ساتھ اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یاد کرلیا کرنا کیونکہ میں نے اسم پاک کو عرش اعظم کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے:

وطفت السمٰوت فلم اریٰ فیھا موضعا الا ورایت اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکتوباً علیہ۔ اور میں نے سارے آسمانوں کا طواف کیا ہے پس میں نے کوئی جگہ ایسی نہیں دیکھی جس پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک نہ لکھا ہو۔ (المواہب الدنیہ، ص:۷ ۱۳)

ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے دروازوں پر لکھا ہے: **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔

ابونعیم نے حضرت ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شجرہائے جنت کے ایک ایک پتّے پر تحریر ہے: **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمانی تھا۔ ان کی طرف ڈالا گیا تو انہوں نے اسے

انگوٹھی میں رکھ لیا۔اسی سے ان کا کاروبار چلتا تھا۔اس کا نقش یہ تھا:ان اللہ لا الہ الا اللہ ان محمد عبدی و رسولی۔

امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ سیرت میں لکھتے ہیں کہ ۴۵۴ھ خراسان میں شدید طوفان آیا جس طرح قوم عاد پر آیا تھا،اس سے پہاڑ ہل گئے اور وحشی جانور بھاگ کھڑے ہوئے،لوگوں نے سمجھا کہ شاید قیامت برپا ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعا وزاری شروع کردی۔ پھر کیا دیکھا کہ ایک عظیم روشنی آسمان سے ایک پہاڑ پر اتری اور بھاگے ہوئے جانور اس پہاڑ کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی وہاں پہنچے تو انہیں اس نور میں پتھر کی ایک سل ملی جو ایک ہاتھ لمبی اور تین انگلیاں چوڑی تھیں۔اس میں تین سطریں تحریر تھیں:لا الہ الا اللہ فاعبدونی۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ چنانچہ میری عبادت کرو۔ محمد رسول القرشی۔ احذروا وقعۃ المغرب انہا تکون من سبعۃ او تسعۃ والقیامۃ قد ازفت۔ جنگ مغرب سے ڈرو وہ سات یا نو کے عرصہ میں ہوگی اور قیامت قریب آ لگی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک پرندہ آیا جس کے منہ میں سبز رنگ کا ایک موتی تھا۔اس نے وہ نیچے ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پکڑ لیا۔اس موتی میں سبز رنگ کا ایک کیڑا تھا جس پر زرد رنگ سے تحریر تھالا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

علامہ ابن مرزوقی شرح بردہ میں ایک آدمی سے نقل کرتے ہیں کہ ہم بحر ہند کی تلاطم خیز موجوں میں گھر گئے تو ہم نے ایک جزیرے پر لنگر ڈال دیئے۔ وہاں ہم نے سرخ رنگ کا انتہائی خوشبودار گلاب دیکھا جس پر زرد رنگ سے لکھا تھا:

براءۃ من الرحمن الرحیم الی جنات النعیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

ایک آدمی کا بیان ہے کہ میں بحر مغرب میں جہاز پر سوار تھا اور ہمارے ساتھ ایک لڑکا تھا جس کے پاس مچھلی شکار کرنے والا کانٹا بھی تھا۔ اس نے یہ کانٹا سمندر میں ڈالا تو ایک سفید مچھلی جو ہاتھ بھر لمبی تھی، پھنس گئی۔ اس کے ایک کان پر **لا الٰہ الا اللہ** اور دوسرے پر **محمد رسول اللہ**۔ لکھا تھا۔ ہم نے اسے دوبارہ سمندر میں پھینک دیا۔ (حیات الحیوان، ص: ۵۶۸)

ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کے پہلے انہدام کے وقت ایک لکھا ہوا پتھر ملا جس کی عبارت پڑھنے کے لئے ایک آدمی بلایا گیا۔ اس نے تحریر پڑھی تو اس میں لکھا ہوا تھا میرا بندہ محمد چنا ہوا، متوکل منیب اور مختار ہے۔ اس کی جائے ولادت مکہ اور جائے ہجرت طیبہ ہے۔ وہ اس وقت تک دنیا سے نہ جائے گا جب تک وہ ٹیڑھے راستوں کو سیدھا نہ کر دے۔ وہ خدا کی الوہیت کی گواہی دے گا۔ اس کی امت (حمادون) ہوگی، جو ہر بلندی پر خدا کی حمد بیان کرے گی۔ وہ لوگ پنڈلیوں تک ازار باندھیں گے اور اطراف اعضاء کا وضو کریں گے۔ یعنی میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے رسول ہیں، سعادت مندی ہے ان کی جوان پر ایمان لائے اور ان کی اتباع کرے، جو میرے ساتھ وابستہ ہوا نجات پا گیا۔ حرم میرا کعبہ میرا گھر ہے جو میرے گھر میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بے خوف ہو گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد: ص: ۳۸۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! بارگاہ حق میں دو بندے کھڑے کئے جائیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرنے کا حکم فرمائے

گا۔ یہ دونوں بندے عرض کریں گے اے خدا کس چیز نے ہمیں جنت کا اہل اور مستحق بنایا۔ حالانکہ ہم نے کوئی نیک عمل نہیں کیا۔ بجز اس کے کہ تیری رحمت سے ہم جنت میں جانے کے امیدوار تھے۔ اس پر اللہ رب العزت جل وعلی فرمائے گا جنت میں داخل ہوجاؤ اس لئے کہ ہم نے اپنی ذات کی قسم اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ میں اسے ہرگز جہنم کی آگ میں نہ بھیجوں گا جس کا نام احمد یا محمد ہے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا مجھے قسم ہے اپنے عزت وجلال کی کسی ایک پر عذاب نہ کروں گا جس کا نام تمہارے نام پر ہے۔

سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا کوئی دسترخوان نہیں ہے کہ بچھایا گیا ہو اور اس پر لوگ کھانے کے لئے آئیں اور ان میں احمد یا محمد کے نام والے ہوں مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس گھر کو جس میں یہ دسترخوان کھانے کا بچھایا گیا ہو اسے روزانہ دو مرتبہ پاک نہ فرمائے۔ یہ بھی مروی ہے کہ کوئی گھر نہیں ہے جس میں محمد نام والے ہوں مگر حق تعالیٰ انہیں برکت دے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو قوم کسی مشورہ کے لئے جمع ہوئی اور ان میں کوئی شخص ایسا موجود ہے جس کا نام محمد ہے تو یقینا اللہ تعالیٰ ان کے نام میں برکت عطا فرمائے گا۔ ایک حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس کا نام محمد ہوگا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی شفاعت کریں گے اور جنت میں داخل کرائیں گے۔ (مدارج النبوۃ، جلد:۱،ص:۲۴۶)

اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس نے سو سال تک اللہ کی نافرمانی کی اس کے مرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اسے قبر سے نکال کر اس کا جنازہ پڑھو پھر دفن کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ تیرا حکم بجا ہے لیکن وہ تو تیرا نافرمان

تھا اور اس نے سو سال تک گناہ کئے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے لیکن جب وہ کبھی تورات شریف کھولتا تھا اور میرے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو دیکھتا تھا تو اسے بوسہ دیتا تھا اور آنکھوں سے لگایا کرتا تھا۔ پس میں نے اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب واحترام کرنے کے سبب اسے بخش دیا اور اسے جنت میں ستر حوریں عطا کیں۔ (تفسیر روح البیان، جلد: ۳، ص: ۱۲۱)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں کھول دے، آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے تو تیرے لئے آخرت کا بہترین سامان بنا دوں، "ان شئت دعوت" اور اگر تو چاہتا ہے تو دعا کر دوں، التجا کی دعا ہی فرما دیں۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی طرح وضو کر لے اور دو رکعت نماز پڑھ لے اور گھر جا کر یہ دعا کر لینا: **اللھم انی اسئلک و لو جه الیک بمحمد نبی الرحمة یا محمد انی قد تو جهت بک الی ربی فی حاجتی هذه**۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے محبوب پاک نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر سوال کرتا ہوں، یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کو اپنے رب تک وسیلہ بناتا ہوں اپنی اس حاجت کے لئے یعنی آنکھوں کی بینائی کے لیے۔ دوسری روایتوں میں ہے: **و قد کشف اللہ عن بصره** تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ (شفا شریف، جلد: ۱، ص: ۲۷۳)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار و برکات پہ محدثین ومورخین نے بڑی تفصیلی بحثیں کی ہیں، ان کے مطالعہ سے دل کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے، جن کے دل میں عشق کا چراغ روشن ہوتا ہے وہ اسمائے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے وظائف میں شامل رکھتے ہیں اور شدت سے استعانت کرتے

ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں اپنی بانہوں میں ڈھانپ لیتی ہے۔

سید اولادرسول قدسؔی جہاں شعر وسخن کے میدان میں اپنی جداگانہ شناخت رکھتے ہیں وہیں علوم اسلامیہ کے وہ زبردست عالم و عارف ہیں ان کی علمی افضلیت اور شعلہ بیانی کے اپنے اور غیر سب معترف ہیں، اسم پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار وتجلیات اور خیرات و برکات پہ ان کے نعتیہ دواوین میں اشعار موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں، انہوں نے اس حوالے سے ایک ایسی نعت کہی ہے جس کی ردیف نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ ذیل میں اس نعت کے چند اشعار دیکھئے ؎

تقدس کا حامل ہے نامِ محمد
دوعالم کا حاصل ہے نامِ محمد

ہے یہ انتخابِ خداوندِ عالم
کہیں کیوں نہ کامل ہے نامِ محمد

کہو گردشوں سے رہیں دور ہم سے
مصائب کا قاتل ہے نامِ محمد

کوئی چھین سکتا نہیں لب سے میرے
کہ گھٹی میں شامل ہے نامِ محمد

مرا کیا بگاڑیں گے شعلے جفا کے
کرم پہ جو مائل ہے نامِ محمد

مری فکر ہے باریابی کی ہم دوش
کہ نعتوں کا ساحل ہے نامِ محمد

ملے گی مجھے خلد پلکیں بچھائے
عذابوں پہ حائل ہے نامِ محمد

دعا میری ہوجائے رد غیر ممکن
اجابت کا جب دل ہے نامِ محمد

ضرورت نہیں قدسیؔ آہ و فغاں کی
کہ بے مثل عادل ہے نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جور و جفا و ظلم کے شعلوں کے بیچ بھی

تاریخ انسانی اس بات پہ سخت حیران ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات پاک میں اپنے کسی بدترین دشمن کے لئے بھی بددعا نہیں کی، اہل مکہ کی اذیت رسانی کی کوئی دوسری نظیر نہیں پیش کی جاسکتی، ابولہب اور ام جمیل کی معاندانہ حرکتیں بھی تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، حالتِ نماز میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر اونٹ کی اوجھڑی اور دوسری غلاظتیں ڈال دی جاتیں، کبھی گلوئے مبارک میں چادر کا پھندا ڈال کر اسے زور سے بل دیا جاتا، دیکھنے والی آنکھیں محسوس کرتیں کہ اب حلقۂ چشم سے آپ کی آنکھیں باہر آجائیں گی، کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہوں میں کانٹے بچھا دیئے جاتے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس راستے سے گزریں تو آپ کے قدم ناز لہولہان ہوجائیں، پھر بھی صبر وسکون کے سمندر میں بددعا کی کوئی ہلکی سی حرکت نہ ہوتی، اہل مکہ میں دعوت وتبلیغ کا کوئی اطمینان بخش اثر دیکھنے میں نہ آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا رخ فرمایا۔ اس امید کے ساتھ کہ ہوسکتا ہے وہاں کی زمین پیغام الٰہی کو قبول کرنے کے لئے جلد آمادہ ہوجائے، لیکن اہل طائف اہل مکہ سے بھی زیادہ پتھر دل واقع ہوئے، انہوں نے اہل مکہ کی اذیتوں کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اہل طائف کی اذیتوں کو سن کر تاریخ کانپ اٹھتی ہے۔ ایک مورخ نے اہل طائف کے جور وظلم کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

گرمی کا موسم ہے، آفتاب کی تمازت بڑھ گئی ہے۔ طائف کے گندے

لونڈے سب یک چوک میں جمع ہو گئے ہیں۔ انہوں نے راستہ کو دونوں طرف سے گھیر رکھا ہے، اوباشوں نے عقب سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پتھر برسانے شروع کر دیئے ہیں۔ وہ تاک تاک کر آپ کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارتے ہیں اور جیسے جیسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدم اٹھا کر چلتے ہیں، وہ سنگ باری کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی پاپوش اقدس خون سے بھر گئی ہیں۔ چوٹوں کی تکلیف کی وجہ سے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجبور ہو کر بیٹھ جاتے ہیں تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکڑ کر کھڑا کر دیتے ہیں تا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پھر سے پتھر برسائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجبوراً چلنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ ستمگر پتھر مارتے اور ٹھٹھے لگاتے ہیں۔ دو میل تک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسی طرح پتھر برسائے گئے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پتھر سے بچانے کے لئے خود پتھر کی بارش اپنے اوپر لیتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا، دل کے اندھوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اپنا لیا ہے، روشنی کو چھوڑ کر تاریکی میں پناہ لے لی ہے اور محسن اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سنگ باری کر کے اپنی خباثت کا ثبوت دے دیا ہے۔

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زخموں سے چور طائف سے نکل گئے ہیں، بدمعاشوں نے اب آپ کا تعاقب کرنا چھوڑ دیا ہے۔

انہیں بڑی خوشی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے شہر سے نکال دیا ہے۔ انہیں تو اپنی سرداری عزیز ہے اور اس خوفناک عذاب کا خیال تک نہیں ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بستی سے نکال دینے والوں پر آیا کرتا ہے۔ ارض وسما کی وسعتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں:

"محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں یاد رکھو تمہیں بھی دوسروں تک ان کا

پیغام پہنچانے کی پاداش میں ایسے ہی مصائب سے گزرنا پڑے گا۔ پھر کیا مایوس ہوکر رہ جاؤ گے؟ کیا ان مزاحمتوں سے بددل ہوجاؤ گے، کیا راہِ ہدایت کے بھولے بھٹکے مسافروں پر سنگ باری کرو گے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو رحمۃ اللعالمین ہیں، تم بھی رحمت و شفقت کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچادو تاکہ تم پر رحمت ہوتی رہے۔''

دھوپ کی شدت بڑھ گئی ہے، عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ طائف سے تین میل دور اپنے باغ کی گھنی چھاؤں کا لطف اٹھا رہے ہیں، ان سے ذرا ہٹ کر ان کا نصرانی غلام عدّاس پودوں کی صفائی کر رہا ہے۔ باغ کے ایک حصے سے چند پرندوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، انگوروں کے دلربا خوشے اپنے جوبن پر ہیں، اس باغ کے اردگرد پتھروں کی قد آدم دیوار موجود ہے جس میں شاہراہ کی طرف ایک بڑا سا دروازہ ہے۔

عتبہ کی نگاہیں غیرارادی طور پر سڑک کی طرف اُٹھ گئی ہیں، اس نے دیکھا کہ ایک حسین چہرے والا آدمی جس کے سر سے پاؤں تک خون بہہ رہا ہے بڑی بے چینی کے عالم میں ایک دوسرے آدمی کے سہارے دروازے کی راہ سے باغ میں داخل ہوا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چند قدم چل کر ایک جگہ چھاؤں میں نہایت پریشانی اور اضطراب کے عالم میں بیٹھ گیا۔ ان دونوں کو یہاں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسین چہرے والا آدمی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگا۔

عتبہ انہیں صرف دیکھ سکتا تھا۔ ان کی آواز نہیں سن سکتا تھا، لیکن اسے محسوس ہوتا تھا کہ یہ دعا دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہے کیونکہ ہاتھ اٹھنے کے بعد ہی اس کا چہرہ پرسکون نظر آنے لگا تھا۔

یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں..... رحمۃ اللعالمین.... جو ان بھولے بھٹکے انسانوں کو دینی اور دنیاوی سعادتوں کی راہ دکھانے کے لئے طائف میں

تشریف لائے۔لیکن یہاں کسی نے ان سے رہنمائی حاصل نہ کی بلکہ جی بھر کر ان پر پتھراؤ کیا،آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بدن زخموں سے چور ہے، ٹخنے ، ایڑیاں ،سر اور کمر سب خون سے شرابور ہیں،لہو سے کپڑوں پر طرح طرح کے نقش بن گئے ہیں، پیاس کے مارے ہونٹ خشک ہو گئے ہیں، گرمی سے پریشانی میں اضافہ ہوگیا ہے، وہ محفوظ جگہ کی تلاش میں یہاں پہنچ گئے ہیں، طائف کے لوگوں کے ہاتھوں جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس سے دل بھر آیا ہے، دس سال تک خاموش رہنے والی زبان میں بے اختیار جنبش پیدا ہوگئی ہے۔طوفان اُمنڈ پڑا ہے، سالہا سال کے صبر وسکون کی چٹان پھٹ گئی، دعا کا یہ فوارہ ابل پڑا اور انھوں نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اپنے خالق اور مالک سے فریاد کی ہے:

''خداوندا، میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔

اے ارحم الراحمین تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔

مجھے کس کے حوالے کررہا ہے، کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے ، یا کسی دشمن کے حوالے،جس کو تو نے مجھ پر قابو پا لینے کا یارا دے دیا ہے۔

اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں ہے۔اگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہوجائے تو اس میں میرے لئے زیادہ کشادگی ہے۔

میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا کرتا ہے اور دنیا وآخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔

مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہوجاؤں، تیری مرضی پر راضی ہوں، یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی

ہو جائے، کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں ہے۔''

وہاں اور کون تھا جو اس درد بھری التجا کو سنتا اور یاد رکھتا، ہاں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے یہی الفاظ محفوظ رہ سکے ہیں، ورنہ خدا جانتا ہے محبوبِ خدا کی زبان سے اور کیا کیا الفاظ (۱۶۶) نکلے ہوں گے، خدا سے ایسی سچی محبت کی ایسی پاک اور روح وقلب کو روشن کر دینے والی کوئی ایسی مثال سورج اور چاند تاروں کی آنکھ نے کبھی دیکھی ہے؟ جس کا ایک عجیب و غریب نمونہ اس ایمان افروز دعا میں ملتا ہے۔

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش بیٹھے یہ التجا سن رہے ہیں جو مکمل ترین انسان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خالق اور مالک کے حضور پیش کی ہے، انہیں اپنے آقا کی اس تکلیف سے بے حد صدمہ پہنچا ہے، وہ خود بھی زخمی ہیں، ان کا خون کھول رہا ہے۔ بس میں ہو تو پورے طائف کا صفایا کر دیں۔ ان سے برداشت نہ ہو سکا تو عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ظالموں کے لئے بد دعا کیجئے۔''

رحمت مجسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت صبر وسکون سے فرمایا:

''میں ان لوگوں کے لئے کیوں بد دعا کروں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لائے تو امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی۔''

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے، زمین و آسمان کی نبضیں تیز ہو گئی ہیں، رحمت و شفقت کی کافوری لہروں کی برق رفتاری تیز ہو گئی ہے۔

''یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رحمت و رافت تھی۔ خلق خدا پر لامتناہی شفقت اور صبر و استقامت کی حیرت انگیز مثال تھی، مخلوق کے لئے بے پناہ تڑپ، پیغام حق پر انتہائی یقین اور اس پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا جو نادر نمونہ اس ارشاد میں ملتا ہے، سرگزشت عالم میں کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی، عالمِ انسانیت کے دوسرے برگزیدہ وجود کے قدمہائے مبارک شفقت علی

الخلق کے اس بلند ترین مقام تک نہ پہنچ سکے۔''

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غارِ حرا سے غارِ ثور تک، ص:۲۳۱-۲۳۵)

اس سفر کے مدتوں بعد ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جنگ اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، اے عائشہ! وہ دن میرے لئے جنگ اُحد سے بھی زیادہ سخت تھا جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار ''عبد یا لیل'' کو اسلام کی دعوت دی، اس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا، اور اہل طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا، میں اس رنج وغم میں سر جھکائے چلتا رہا، یہاں تک کہ مقام ''قرن الثعالب'' میں پہنچ کر میرے ہوش وحواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ اس بادل میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آواز دی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا، اور آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے تا کہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے، اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میں آپ کا حکم بجالاؤں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ''**اخشبین**'' اور ''**قعیقعان**'' دونوں پہاڑوں کو ان کفار پر الٹ دوں تو الٹ دیتا ہوں، یہ سن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔

(بخاری شریف، باب ذکر الملائکہ، جلد:۱، ص:۴۵۸، وزرقانی جلد:۲، ص:۲۹۷)

ان واقعات کی روشنی میں قدسیؔ کا اندازِ سخن ملاحظہ کریں:

جور و جفا و ظلم کے شعلوں کے بیچ بھی
جاری دعا ہے لب پہ وہ ایسے متین ہیں

دیتے ہیں جور و ظلم کی پاداش میں دعا
رب کے حبیب کی یہ ادا بے نظیر ہے

ان کی بے مثل رحمت پہ ہے یہ دلیل
تھی دعا لب پہ وقت ستم بولئے

شدتِ غم میں مصطفی کی طرح
کون ہے خیرخواہِ حال کہاں

مظالم کے شعلوں میں شبنم فشانی
مزاجِ نبوت متانت سراپا

ظلم و جور و جفا کی آندھی میں
شاہ کو صابر و متین کہو

ظالم کو دعاؤں سے جب آقا نے نوازا
اس خلقِ ضیابار سے رحمت ہوئی محظوظ

مظالم کے بدلے لبوں پر دعائیں
عدو پر عنایت ہے کس کی، نبی کی
جفاؤں کے شعلوں میں شاداں و فرحاں
یہ پُرنور عادت ہے کس کی، نبی کی

دوست تو دوست دشمنوں کے لئے
ان کے لب پر رہی دعا تازہ

قدسیؔ ناقدین زبان وادب کی نظر میں

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا شمار دانشور علما میں ہوتا ہے انہوں نے بیک وقت تحریر، تدریس، تقریر اور شاعری کو مذہبی قدروں کے فروغ کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں رہتے ہوئے جہاں آپ صوبائی و عالمی نعتیہ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں وہیں ایک واعظ و خطیب کی حیثیت سے بڑے بڑے جلسوں و کانفرنسوں سے بھی خطاب کرتے ہیں۔ آپ نے مذہبی، مسلکی اور جماعتی تشخص اور تفرد کو اب تک ہر طرح کے داغ دھبّوں سے بچائے رکھا ہے۔ پانیوں میں رہ کر اپنا رنگ جدا رکھنا بہت بڑی بات ہے، امریکہ جیسی سرزمین میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بہت کم لوگ اپنے مذہبی تشخص کو حالات اور ماحول کے گرد و غبار سے محفوظ رکھ پاتے ہیں۔ قدسیؔ کی ذات ایسے لوگوں کے لیے منہاج و معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ اپنے مذہبی تشخص، علمی تفرد اور شعری رجحانات و خیالات کی بنیاد پر ہر طبقے میں انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ دینی و عصری علوم و فنون کے ماہر ہیں۔ دنیا کی کئی زبانوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ عربی زبان و ادب، فارسی زبان و ادب، اردو زبان و ادب اور انگریزی زبان و ادب میں آپ اچھی بصیرت رکھتے ہیں اور ہر زبان میں آپ کے نثری و شعری فن پارے موجود ہیں۔ آپ کی نثری و شعری جہات کو سمجھنے کے لیے وسیع تجربے اور مطالعے کی ضرورت ہے۔ آپ شعر گوئی کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی جو خدمت کر رہے ہیں ہم عصر شعرا میں اس کی مثال بمشکل ملے گی۔ آپ کے شعری مقام و مرتبہ کا ناقدینِ زبان و ادب نے اعتراف کیا ہے۔ ذیل میں چند مشاہیر ناقدینِ زبان و ادب کے تاثرات ملاحظہ کریں۔

علی سردار جعفری

اُردو کی اصنافِ سخن میں نعت سب سے مشکل صنف ہے۔ یہ جس بارگاہ میں اظہارِ عقیدت ومحبّت ہے اس کے لیے فارسی کا ایک شعر ہے ۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حمد میں جو مبالغہ ممکن ہے وہ نعت میں ناممکن ہے۔ ہر حرف سے حدِّ ادب میں رہنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمّد ہوشیار''

بزرگوں کا یہ قول شاعر کی رہنمائی کرتا ہے لیکن ہوش میں رہ کر عشقِ رسول کتنا مشکل کام ہے جہاں جنید و بایزید جیسے کاملانِ شوق کی سانس اکھڑنے لگتی ہے اس کا اندازہ شاعر ہی کر سکتا ہے۔

اولادِ رسول قدسی اڑیسہ کے شاعر ہیں اور انہوں نے نعت کی صنف میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آزاد نظم اور ہائیکو کا بھی استعمال کیا ہے یہ زمانے کی نئی روش ہے، اس روِش پر وہ کتنی سلامتی سے گزرے ہیں اس کا اندازہ اس کتاب سے ہوسکتا ہے جس کا نام ''گل و لالہ'' ہے یہ نام بہت بامعنی ہے۔ جرمن مستشرق پروفیسر انا میری شمل نے لکھا ہے کہ صوفیائے کرام کے یہاں گل یا گلاب کا پھول حسنِ خدا کا استعارہ ہے۔ اور اقبال نے لالہ کے پھول کو انسانی صفات کا حامل پایا ہے۔ اور وہ ان کے ہر کلام میں انسان کا استعارہ بن کر بھی کھلتا ہے۔

میں نے قدسی صاحب کے پورے کلام کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ پہلی بار زیرِ نظر نعتیہ کلام میرے سامنے آیا ہے اس میں انہوں نے خوش بیانی کا اچھا اظہار کیا ہے جو ان کے عشقِ رسول کا عطیہ ہے۔ (تر و تازہ ٹائٹل پیج)

مظہر امام

سیّد اولادِ رسول قدسی (''اولادِ رسول'' ہونا ہی بڑی بات ہے!) نشاطِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں کے شاعر ہیں۔ وہ ایک حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں، اس لیے مکروہاتِ زمانہ کا اظہار بھی ان کے کلام میں اثر آفرینی کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے ''فروغِ طبع خداداد'' کے ساتھ ''کسبِ فن کے لیے ریاض'' کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

قدسؔی کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ان کی رفتار کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ فکر و تخیل کی بہت سی سرحدیں عبور کرنے پر قادر ہیں۔ جہاں جہاں احساس کی شدّت اور جذبات کا جوش در آیا ہے، وہاں وہاں اُن کا کلام بطور خاص متوجہ کرتا ہے۔ ویسے عام طور پر ان کی غزلیں ضبط، نرمی اور تفکّر کا دلکش امتزاج ہیں۔ ان کی غزلوں کا نیا مجموعہ ''تر و تازہ'' نئے امکانات کی نشاندہی کرتا ہے! (گل و لالہ ٹائٹل پیج)

علقمہ شبلی

سیّد اولادِ رسول قدسؔی سے شناسائی تو نہیں لیکن ان کا کلام نظر سے گزرا ہے اب مجموعے میں ایک ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔ ان کے کلام میں جذبے کی سچّائی بھی ہے اور فکر کی گہرائی بھی۔ یہ ایک جدید اور تازہ کار شاعر ہیں۔ پیکر تراشی اور علامتوں کے استعمال سے اشعار میں حسن اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ اس جوش میں کلام میں کہیں کہیں دقّت پسندی بھی در آئی ہے۔ شخصی علامتوں کے استعمال سے ترسیل میں دشواری ہوتی ہے۔ ان کی شاعری سامانِ بصیرت و مسرّت ہے۔ قلم کی حرمت اور فکر کی طہارت اس کی خصوصیت ہے۔

یہ دورِ جدید کے ایسے شاعر ہیں جن کی شناخت شاعروں کی بھیڑ میں آسانی سے ہوسکتی ہے۔ آئندہ کے لیے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

(پیغامِ رضا جنوری، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۲۲)

کالی داس گپتا رضا

رسول، اللہ تعالیٰ کے پیغامبر جو ٹھہرے اس لیے حمدِ خُدا کے بعد ہی نعتِ رسول کا درجہ مانا جاتا ہے۔ غزل، نظم بلکہ اور صنفوں میں بھی نعت کہنا روا ہے۔ امیر مینائی کہتے ہیں ؎

غزل جو کہتے ہیں ہم نعت میں رسولوں کی
ہمارے شعر نہیں ڈالیاں ہیں پھُولوں کی

محسن کاکوروی فرماتے ہیں ؎

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ
کلامِ نعت یہ رکھا مری زباں کے لیے

نعت لفظ کا استعمال آنحضرت کی ستائش وثنا کے لیے مخصوص ہے۔سخنور اس میں رسولِ مقبول کے لیے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

جناب اولادِ رسول قدسیؔ نے بھی اپنے نعتیہ کلام کا یہ ضخیم مجموعہ بعنوان ''گل ولالہ'' ترتیب دے کر اپنی عاقبت کے راستے ہموار کیے ہیں۔کلام دل سے کہا گیا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ جو نذرانہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا جائے گا وہ قابلِ صد احترام ہی ٹھہرے گا۔بہرحال کلام پختہ ہے اور ہر لحاظ سے مناسب ومحترم ہے۔

پرماتما قدسیؔ صاحب کو اس کارِ خیر کا بھرپور اجر دے اور کلام کو حسنِ قبول عطا فرمائے۔

(گل ولالہ ۱۹۹۴ء)

سیّد آلِ رسول حسنین میاں نظمیؔ

نعتیں آج بھی کہی جارہی ہیں،اچھی نعتیں،بہت اچھی نعتیں وغیرہ وغیرہ مگر ذکرِ رسول جب اولادِ رسول کے قلم سے نکلے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔مجاہدِ ملّت علیہ الرحمہ کے وطنِ مالوف سے تعلق رکھنے والے نوجوان شاعر علامہ سیّد اولادِ رسول قدسی نے جب نعت کے میدان میں قدم رکھا تو ان کے قلم میں ولیم ورڈ وزتھ کی رومانیت بھی تھی،شیلی اور کیٹس کا تغزل بھی تھا،بائرن کی بے باکی بھی تھی اور ٹینی سن کی شستگی بھی تھی۔انگریزی ادب میں ایم۔اے، کرنے کے بعد درسِ نظامی کی بھٹّی میں تپ کر کندن بننے والے اس سیّد زادے نے اپنے اس علم دو آتشہ کو جب نعت گوئی کی طرف موڑ دیا تو غزل پکار اٹھی ''کاش میں نعت کے کنبے میں پیدا ہوتی۔'' سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا نیا مجموعۂ کلام ''گل ولالہ'' ورق در ورق سطر بہ سطر مہک رہا ہے۔قلم کی اس یاترا میں ہر گام خوشبوؤں کے ڈیرے لگے ہوئے ہیں اور کیوں نہ لگے ہوں،یہ حمد وثنا اس مقدّس ذات کی ہے جس کی سب سے پہلی نعت خود دستِ قدرت نے تحریر کی۔

سیّد صاحب نے اپنا تخلّص قدسیؔ بہت چن کر رکھا ہے۔اس تخلّص کے نام نعت گوئی کا پٹہ لکھا ہوا ہے۔انہوں نے فنِ نعت میں نئے تجربے بھی کیے ہیں۔اگرچہ ممکن ہے کہ ان کے قارئین ان تجربوں کے متحمل نہ ہو پائیں۔قدسیؔ کے یہاں ذخیرۂ الفاظ کی فراوانی بھی ہے اور تخیل کی روانی بھی،خوبصورت بندشیں بھی ہیں اور اچھوتے مضامین بھی۔''گل ولالہ'' کسی

مغل گارڈن کی طرح آراستہ و پیراستہ ہے۔ زمینوں کا انتخاب عام روش سے ہٹ کر کیا ہے اور جو زمین چنی ہے، اسے مطلع سے مقطع تک سرسبز و شاداب بھی رکھا ہے، عروض کی دشوار بحروں میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے اور ان دشوار راہوں سے جھوم جھوم کر گزرے ہیں۔ غزل کا لباس ہو یا نظم کا پیرہن یا پھر جدید شاعری کا ٹیڈی ملبوس، قدسیؔ اس فیشن شو میں کہیں بھی عریاں نہیں ہوئے ہیں۔ ان کے یہاں مضامین کی حرمت، اصطلاح کے آداب اور قلم کی جولانیاں پوری طرح زیرِ لگام ہیں۔ مبالغہ اور غلو سے پرہیز کا درس غالباً انہوں نے کلام الامام امام الکلام سے لیا ہے۔

میری دعا ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

(قدسی شخص اور شاعر، ص: ۵۶، ۵۷)

شمس الرحمٰن فاروقی

جناب سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کے مجموعۂ کلام ''رفتہ رفتہ'' کے دو نسخے ملے۔ شکریہ۔ میں نے کتاب کو جگہ جگہ سے دیکھا اور لطف اندوز ہوا۔ آپ نے حکم دیا ہے کہ اس کتاب پر ''شب خون'' میں تبصرہ کیا جائے۔ افسوس ہے کہ میں تبصرہ لکھنا چھوڑ چکا ہوں اگر کوئی اچھا تبصرہ نگار مل گیا تو اس سے لکھوادوں گا۔ فی الحال یہی رائے قبول فرمایئے کہ مجھے یہ مجموعہ دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تعارفی خاکہ میں جناب قدسیؔ کو کرامت علی کرامت کا شاگرد بتایا گیا ہے لیکن کرامت علی کرامتؔ صاحب نے اپنے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے کہ قدسیؔ کے بہت سے اشعار میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ بہرحال آپ نے ان کا کلام یکجا کر کے ادب کی خدمت انجام دی ہے۔ (پیغامِ رضا جنوری ۲۰۰۵ء۔ ص: ۱۲۱)

یوسف ناظم (ممبئی)

''دین و دنیا'' زندگی کے بحرِ ذخّار کے دو کنارے ہیں۔ لیکن ان دونوں کناروں کے باضابطہ معانقے کا دلکش منظر اگر آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو اس کے لیے آپ کو سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کے مجموعۂ کلام ''رفتہ رفتہ'' کا بالاستعاب مطالعہ کرنا ہوگا۔ بالاستعاب اس لیے کہ شاعر کے نام کا پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ تو خالص دینی اور مذہبی وضع کا نام ہے۔ مجموعۂ کلام بھی اسی

نوعیت کا ہوگا۔ یہ تاثر اس لحاظ سے صحیح ہے کہ سیّد اولادِ رسول قدسیؔ بنیادی طور پر ہیں ہی داعی اور مبلغ۔ واعظ، مقرر، انگریزی اور عربی ہر دو زبان میں دسترس، علومِ جدیدہ کے جوہری اور ان ساری دینی صفات و خصوصیات سے متصف ہونے کے باوصف ایک معتبر شاعر ہیں۔ میں ''رفتہ رفتہ'' کو حفیظ جالندھری کے ''شاہ نامہ اسلام'' کا تازہ بلکہ تر و تازہ ایڈیشن یعنی طبع ثانی (جسے لاثانی بھی کہا جا سکتا ہے) سمجھتا ہوں اور میں اس لیے ایسا سمجھتا ہوں کہ حفیظؔ جالندھری نہ صرف شاہ نامہ اسلام کے مصنف تھے اور ''سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی'' جیسی معرکتہ الآرا نظم کے خالق۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ شاعر جو درحقیقت ابوالاثر تھے غزلیہ اور نظمیہ شاعری کے بھی استاد تھے۔ ان کی نظم ''ابھی تو میں جوان ہوں'' ملکۂ پکھراج کی آواز میں اب تک کانوں میں گونجتی ہے۔ زیرِ نظر سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا شعری مجموعہ بھی تمام اصناف و شاعری پر محیط ہے۔ (قدسی شخص اور شاعر، ص: ۴۵۷، ۴۵۸)

حقانی القاسمی

''اردو کی غزلیہ شاعری جن مخصوص لفظیات و فکریات میں محصور ہے قدسیؔ کی شاعری محصوریت کے اس احساس سے باہر نکالتی ہے کیوں کہ ان کی غزل میں لفظیات کو برتنے کی تکنیک یا منطق عمومیت سے ماورا ہے۔ لفظوں کے لمسی حصار میں قید رہنے والے ان کی شاعری کے مفہوم سے نا آشنا رہیں گے یا اس کے خارجی مفہوم میں ہی اُلجھ کر رہ جائیں گے۔ داخلی مفاہیم تک ان کی رسائی نہیں ہو پائے گی کہ قدسیؔ نے لفظوں کی داخلیت پر اپنی فکر کو مرکوز کیا ہے اور لفظوں کی داخلی منطق میں معانی اور مفاہیم کی نئی جہتیں تلاش کی ہیں۔ قدسیؔ کی تخلیقی انفرادیت کے لیے کسی ناقد کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ تخلیق ثبوت کے لیے کافی ہے کہ ان کی تخلیق میں انفرادیت کے سارے نقوش و رُموز روشن ہیں۔ ان کے موضوعات میں بھی انفرادیت ہے جو روزمرّہ کے ہوتے ہوئے بھی مختلف جہتیں لیے ہوئے ہیں۔''

قدسیؔ کی شاعری کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ Cryptomnesia سے پاک ہے۔ دوسروں کے خیالات کو شعوری طور پر من و عن نہ انھوں نے قبول کیا اور نہ ہی اس پر اپنی فکر کی عمارت کھڑی کی، جبکہ آج کی شاعری میں یہ وبا عام ہے۔

قدسؔی کی شاعری میں ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں جستجو کا عنصر زندہ ہے۔ وہ اپنی شاعری میں ''مقامِ شوق'' کی تلاش میں مضطرب نظر آتے ہیں۔ ممکناتِ زندگی کی جستجو، جہاں کے جوہر مضمر کی تلاش کی وجہ سے قدسؔی کی لے بھی الگ ہوگئی ہے اور نے بھی۔
سید اولادِ رسول قدسؔی نے شاعری میں اپنے تخیلات کو نئی سمتیں عطا کی ہیں اور یہی نئی سمتیں ان کا تخلیقی شناخت نامہ ہیں۔''

(تروتازہ، ص ۲۳، رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار ۲۰۱۰ء)

افتخار امام صدیقی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری قیام سے قیامت کی پردہ داری تک، موجود و نا معلوم، ہر کوئی اپنے اپنے طور پر عشق کا اظہار کر رہا ہے، ہر لمحہ ایک نیا عشق اسلوب ابھر رہا ہے۔ پل پل تخلیق ہوتی ہوئی دنیا دراصل عشقِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے۔ سیّد اولادِ رسول قدسؔی بھی اسی عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں اور سراپا عشق بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں شاعری کا وصف عطا کیا ہے تاکہ وہ اپنے سچّے عشق کا منظوم اظہار کر سکیں۔ ان کا تخلیقی عمل برابر جاری ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کا یہ چوتھا مجموعہ ہے۔ یہ صرف شاعری نہیں ہے بلکہ سچّی شاعری ہے جس میں عقیدگی کی پوری روح سمائی ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنے حرف و لفظ میں عقیدگی کی ایک ایسی آگ بھر دی ہے کہ سامع اور قاری کو یہ عشق کی آگ اپنی آگ معلوم ہوتی ہے۔

(لب و لہجہ، ص: ۲۳ رضا دار المطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی بہار)

ڈاکٹر مظفر حسن عالی سہسرامی

صنائع، بدائع کی روشنی میں جب ہم سیّد اولادِ رسول قدسؔی کے نعتیہ کلام کا محاسبہ کرتے ہیں تو ہمیں کم و بیش وہ ساری خوبیاں ان کے کلام میں مل جاتی ہیں جو دیگر مشاہیر شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ (پیغامِ رضا اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء، ص: ۱۴۱)

کوثر چشتی۔ نیویارک امریکہ

سیّد اولادِ رسول قدسؔی کی شخصیت میں بڑی وسعت و گہرائی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے شعر و سخن کی ہر بزم میں اپنے وجود کو منوانے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کی ایک

عادت یہ بھی ہے کہ وہ قدم قدم پر تاریخ لکھنا چاہتے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک تاریخی نوعیت کی کتاب منظوم ''سیرت سرورِ دو جہاں'' آئی ہے۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے سیرتِ پاک پر یہ پہلی کتاب ہے۔ ''فکرِ مسلسل'' بھی ان کا تاریخی کارنامہ ہے۔ اس میں ایک نعت ایسی ہے جو ۱۳۲ ۲ ؍اشعار پر مشتمل ہے۔ عصرِ حاضر میں اتنی طویل نعت کہنے کی مثال میری نگاہ میں اب تک نہ آسکی ہے۔ دعا ہے کہ وہ یونہی تاریخ رقم کرتے رہیں اور ان کا شعری فیضان عام سے عام تر ہوتا رہے۔ (فکرِ مسلسل، ص: ۷۰،۷۱)

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی، شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی

اردو شعر و ادب میں فکر و فن کی جو نئی جہتیں سامنے آئی ہیں اور طرزِ احساس کے جو کٹاؤ پیدا ہوئے ہیں ان میں یقیناً بزرگوں کا بھی کچھ ہاتھ ہے مگر نئی نسل کے شاعروں نے جس شعری رویے اور فنی نہج کا عام طور سے ساتھ دیا ہے یا اثر قبول کیا ہے اس کا بیشتر تعلق ۱۹۸۰ء کے بعد کی نسل سے ہے۔ اور اس نسل میں اولادِ رسول قدسی ایک ایسے صبا مزاج شاعر ہیں جن کے خرامِ فن کو ضابطوں اور اصولوں کی مٹھی میں بند کر کے دیکھنا دکھانا ممکن نہیں۔ خواہ یہ ضابطے اور اصول نئے ہوں یا پرانے۔ ہاں اگر اُن کے فن کو سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے ضابطوں سے کام لینا ہی پڑے تو پھر یہ ضابطے خود اُنہیں کے فنی رویوں سے اخذ کرنے ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری سوچ، طرزِ احساس اور فنی برتاؤ ہر لحاظ سے اردو شاعری کے روایتی مزاج سے یکسر مختلف ہے۔ اور اپنے اندر انفرادی رنگ و روپ رکھتی ہے۔

قدسی کے اسلوب، لہجے اور موضوعات کی انفرادیت کا یہ عالم ہے کہ اُن کی شاعری سب سے الگ پہچانی جاتی ہے۔ نعتوں کے مجموعوں سے قطع نظر صرف ''رفتہ رفتہ'' پڑھ جائیے، یہ حقیقت پہلی نظر میں سامنے آجائے گی کہ ایک زندہ، توانا اور متحرک شاعر جس کی قوت متخیلہ نامیاتی، زرخیز اور کائنات گرد ہے ان کا خالق ہے۔ قدسی خوشبو، خوب صورتی اور روشنی کے متلاشی ایک بے چین و بے قرار شاعر ہیں۔ یہ بے چینی اور بے قراری شاید اس لیے ہے کہ متعفن فضا نے خوشبوؤں کو جلاوطن کر دیا ہے۔ بدصورت کرداروں نے خوب صورتی کو کال کوٹھری میں بند کر رکھا ہے، تاریکی نے روشنی کو مقفل کر دیا ہے۔ شاعر بے چین اور

بے قرار ہے۔خوشبو،خوبصورتی،روشنی اور رنگ وآہنگ کے متلاشی قدسؔی کے غموں،تنہائیوں،
اشکوں،ویرانیوں،جدائیوں،دہشتوں اور تمنّاؤں کے معانی اسی تناظر میں تلاش کیے جا سکتے
ہیں۔بہتر دنیا،بہتر ماحول اور بہتر زندگی کی جستجو قدسؔی کے آؤٹ لک کا خصوصی خاصہ ہے۔
(تروتازہ غزلیہ مجموعہ،ص:۲۸،۲۹)

ڈاکٹر حفیظ اللہ نیو لپوری

سیّد اولادِ رسول قدسؔی اڑیسہ کے محترم،پر گو شاعر ہیں۔نعت گوئی کے میدان میں ممتاز،
منفرد اور معتبر ہیں۔ان کی زود گوئی اور مشکل پسندی نے ان کے کلام کی تطہیر اور تفسیر میں کسی
طرح کا جھول پیدا نہیں کیا بلکہ ان کے یہاں عشقِ رسول کا جذبہ عنبر کے خوشبودار پاکیزہ
دھویں کی طرح مرغولے بناتا ہوا ابھرتا ہے اور ذہن ودماغ پر ایک خمار سا طاری کر دیتا ہے۔
قدسؔی نے اپنی شاعری میں نت نئے تجربے کیے ہیں۔ان کا تخلیقی وجدان قوس وقزح
کے سارے رنگ اپنے اندر سمیٹ کر نئی آب وتاب کے ساتھ شعری پیکر تراشتا ہے۔
قدسؔی بلاشبہ ایک حساس تخلیقی ذہن کے مالک ہیں جو تجسّس آشنا بھی ہے اور تجسّس آمیز
بھی۔غزل گوئی کے ضمن میں پیکریت اور علامت پسندی نے ان کی شاعری کو درجۂ اعتبار عطا
کیا ہے۔(ترویج،کٹک ص:۴)

سعید رحمانی ایڈیٹر اخبار اڑیسہ کٹک

سیّد اولادِ رسول قدسؔی کی شخصیت جہاں ادبی حلقوں میں موجبِ افتخار سمجھی جاتی ہے
وہیں دینی وروحانی اعتبار سے بھی وہ مقامِ بلند پر متمکن نظر آتے ہیں۔وہ بیک وقت جید عالم،مفکر،
مدبر،مقرر ہونے کے علاوہ ایک خوش فکر اور ممتاز شاعر بھی ہیں۔انگریزی میں ایم۔اے کیا ہے اور
کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں انگریزی کے استاذ بھی رہ چکے ہیں۔انگریزی کے علاوہ اردو،فارسی اور
عربی پر بھی یکساں دسترس حاصل ہے۔ان کی روحانی اور صوفیانہ شخصیت کا ایک زمانہ مداح ہے اور
ان کے ارادت مندوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان کے علاوہ امریکہ،کینیڈا،برطانیہ،افریقہ اور
ملیشیا تک پھیلی ہوئی ہے۔ان ممالک کا وہ گاہے بگاہے دورہ بھی کرتے رہتے ہیں۔
اپنے شعری سفر کا آغاز انہوں نے ۱۹۷۸ء سے کیا اور ایک قلیل عرصہ کے اندر جس

تیزی سے ادب کے سنجیدہ حلقوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی ایسا کمال برسوں کی ریاضت کے بعد بھی شاذ و نادر کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ تین دہائی سے بھی کم اپنے شعری سفر کے دوران ان کی درجن بھر تصنیفات منظرِ عام پر آکر پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں شعری مجموعوں کے علاوہ تحقیقی اور ادبی مضامین کے مجموعے بھی شامل ہیں۔ صنفِ نعت سے نسبت خاص ہے۔ لیکن غزل، آزاد غزل، ہائیکو اور تکونی جیسی اصناف میں بھی انہوں نے اپنی طبع رسا کے جوہر دکھائے ہیں۔

جہاں تک غزل کا تعلق ہے اس بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی غزلوں میں کسی ایک متعینہ ہیئت یا رنگ کے نشانات نہیں ملتے کیونکہ ان کا خلاق ذہن کسی ایک موضوع کی اسیری قبول نہیں کرتا ہے۔ چنانچہ متنوع موضوعات کی یکجائی سے ان کے شعری کینوس پر قوس قزحی کرنوں کی چھینٹ دور دور تک بکھری نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری دراصل انسانی زندگی کے نشیب و فراز کی شاعری ہے جس میں خوبصورت اور نادرہ کار استعاروں اور علامتوں کے وسیلے سے ایسی معنوی تہداری وضع ہوئی ہے جس کے گرد ایک طلسمی حصار کا گمان ہوتا ہے ایک ایسا حصار جس کو توڑ کر معنوی سطح تک رسائی کبھی کبھی مشکل نظر آتی ہے۔ اس لیے قدسیؔ صاحب کو مشکل پسند شاعر بھی کہا گیا ہے لیکن مشکل پسندی کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں سہل ممتنع کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ جس کی مثال غالب کے یہاں بھی ملتی ہے۔ مگر ایک بات ہے کہ مشکل لفظیات والی شاعری کو انہوں نے اپنی تخلیقیت افروزی سے کیکٹس بننے نہیں دیا ہے بلکہ گلاب جیسا خوش رنگ پیکر عطا کیا ہے جس کی خوشبو مشامِ جاں کو معطر کرنے لگتی ہے۔ بہر حال قدسیؔ صاحب کے شعری رویہ سے یہ خوشگوار احساس ہوتا ہے کہ نئی لفظیات کے ذریعہ دامنِ شاعری کو کشادہ کرنے کی غرض سے وہ نئے منطقوں کی کھوج میں ہیں اور ان کی یہی کوشش انہیں اپنے ہم عصر شعرا سے ممیز کرتی ہے۔

(ترویج کٹک ستمبر ۲۰۰۸ء، ص:۵)

شمیم طارق

سید اولادِ رسول قدسیؔ صاحب نے ''سیرتِ سرورِ دو جہاں'' کے عنوان سے منظوم سیرت

لکھنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ وہ شاعر ہیں، ہر صنف پر قدرت رکھتے ہیں مگر ان کا اصل میدان نعت گوئی ہے۔ نعت گوئی اور منظوم سیرت نگاری میں مشترکہ موضوعات کی شمولیت کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا درست ہے کہ دونوں کا تعلق دو الگ الگ دائروں سے ہے۔ نعت گوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کے بیان، والہانہ مدح وتوصیف اور عقیدے کی صحت کے ساتھ عقیدت و فدائیت کے جذبے کے اظہار سے عبارت ہے۔ جبکہ سیرت نگاری کا تعلق حالات، واقعات اور کمالات واحسانات کے ایسے صاف وسلیس اور غیر پیچیدہ بیان سے ہے جس کی بنیاد صحت روایات پر رکھی گئی ہو اور جن کے مطالعہ سے مرسلِ اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حد درجہ محبت، ہر کام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنّت کے اتباع اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں باکمال شئے کا داعیہ پیدا ہوتا ہو۔

میری نظر میں ایسے کچھ شعری نمونے ہیں جنھیں منظوم سیرت نگاری کی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، مگر میں سید اولادِ رسول صاحب کی ''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' سے ان کا موازنہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ ''صاحب توفیق'' ہیں اور انھوں نے منظوم سیرت نگاری میں ردیف، قافیہ اور ہر مصرع میں ایک ہی وزن کے التزام سے خود کو بچایا ہے، اس کے باوجود ہر مصرع میں شعری آہنگ کو برقرار رکھا ہے۔ آزاد نظم کی یہی خاصیت ہے کہ یہ آزاد کہلانے کے باوجود ''بے قید'' یا نثر نہیں ہوتی، شاعری ہی رہتی ہے اور اس شاعری سے بھی دل کے تار جھنجھناتے ہیں۔

''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' سے پہلے ان کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں اور ان شعری مجموعوں میں سب سے زیادہ تعداد نعتیہ مجموعوں کی ہے۔ میں نے اولادِ رسول قدسیؔ صاحب کا نام سنا تھا، ان کے بعض اشعار بھی پڑھے تھے مگر ان کی شخصیت اور شاعرانہ قدرت سے پورے طور پر واقف نہیں تھا۔ مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب کا میں انتہائی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے وہ نعتیہ مجموعے مہیا کیے اور ''سیرتِ سرورِ دوجہاں'' پر کچھ لکھنے کی تحریک دی۔ یہاں میں واضح کر دوں کہ قدسیؔ صاحب کی نعت گوئی اور شاعری پر کئی اہلِ قلم نے لکھا ہے مگر ان میں اکثر تحریریں فرمائش کے سائے میں لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے جو لکھا

ہے، اگرچہ مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب کے تحریک دلانے پر لکھا ہے مگر اس میں میرے دل کی اعانت بھی شامل ہے۔ میں پورے خلوص سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ قدسیؔ صاحب کی یہ کاوش منظوم سیرت نگاری کی روایت کو مستحکم کرے گی۔ وقت کے ساتھ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔ لوگ محسوس کریں گے کہ نبی مرسل ﷺ کی ذاتِ گرامی میں روح تاریخ مضمر ہے۔ آپ کا تعلق عالمِ بشریت کے نقطۂ آغاز سے بھی ہے اور اس کے نقطۂ اختتام سے بھی۔ یعنی آپ کی سیرتِ مبارکہ کا تعلق ماضی و حال کی طرح مستقبل سے بھی ہے۔ اس لیے دین و دنیا میں سرخ رو ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کی سیرت ہی کو زندگی کا محور اور عنوان بنایا جائے۔ قدسیؔ صاحب نے اس سیرتِ طیبہ کو دل نشیں پیرائے میں بیان کر کے اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔

(سیرتِ سرورِ دو جہاں، ص ۴۱، ۴۲، ۴۷)

پروفیسر کرامت علی کرامت

''نعت گوئی'' کا تعلق ''عقیدت'' سے ہے تو سیرت نگاری کا تعلق ''عقیدے'' سے۔ ایک نعت گو شاعر مدحتِ رسول میں تشبیہات، استعارات و علامات جیسے جدلیاتی الفاظ کا استعمال کر سکتا ہے۔ جبکہ سیرت نگاری میں اس کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ الفاظ کی ''وحدتِ معنیٰ'' کا خاص خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا سیرت نگاری میں وہی شاعر کامیاب ہو سکتا ہے جو درمیانی راستہ اپنا کر تخلیقیت کے پُل صراط سے صحیح و سالم گزر جائے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ قدسیؔ سیرت نگاری کے اس پل صراط کو بڑی ہوشیاری سے عبور کر کے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔ ہر تخلیق کے پیچھے تخلیق کار کا کچھ نہ کچھ مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے مقصد کو پالیتا ہے تو اسے کامیاب تخلیق کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کے تخلیقی مقاصد الگ الگ ہیں۔ ترجیحی طور پر میرؔ کا مقصد ''اپنی غم پسندی'' کو اُجاگر کرنا ہے، تو غالبؔ کا مقصد زندگی کو ''کلّی اکائی'' (Whole integrated) کے طور پر پیش کرنا ہے۔ اقبال کا مقصد خودی کی شناخت کو عمومیت بخش کر خوابیدہ ملتِ اسلامیہ کو بیداری کا پیغام عطا کرنا ہے۔ اس طرح تینوں شعرا اپنے اپنے مقصد میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ جہاں

تک ''سیرت نگاری'' کا تعلق ہے ہمیں شاعر کے مقصدِ اعلیٰ پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ تخلیق کا اسلوب اور طرزِ بیان اس مقصدِ خاص پر مبنی ہے، یہی سبب ہے کہ مختلف سیرت نگاروں کے اسالیب و اندازِ بیان میں کافی بُعد و انحراف پایا جاتا ہے۔

قدسیؔ کا ایک اور بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ سائنسی ترقی اور مادیت پسندی کے زیر اثر انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلائے گئے الحاد، لادینی اور دہریت کے غلبے کے اس دور میں نوجوان پیڑھی کو سیدھے سادے الفاظ میں سرورِ کائنات کے سوانحی حالات اور اخلاقِ حسنہ کے نوری کوائف سے روشناس کرایا جائے تاکہ اس پیڑھی کے دل میں پیغام انسانیت کا تقدس سیدھے اُتر سکے اور آنے والی نسل مادیت اور دہریت کے بجائے روحانیت کے ترفع کی جانب پھر سے مراجعت کر سکے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قدسیؔ نے نظم آزاد کی صنف کو اپناتے ہوئے رواں دواں بحر میں سادگیِ بیان پر مبنی جس اسلوب کو اختیار کیا ہے، وہ شاعر کے حصولِ مقصد کا سب سے بہتر وسیلہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اولادِ رسول قدسیؔ اپنے مخصوص مقصدِ عظیم میں کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے موصوف ہم سب کی جانب سے ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔

؎ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(سیرتِ سرورِ دو جہاں، ص ۳۹، ۴۰)

ایم نصر اللہ نصرؔ، کولکاتا

سید اولادِ رسول قدسیؔ بھدرک اڑیسہ کے رہنے والے ہیں لیکن کافی دنوں سے بسلسلۂ روزگار امریکہ میں مقیم ہیں۔ اس ترقی یافتہ اور سائنس زدہ ماحول اور تہذیب نو میں رہ کر بھی انھوں نے جس عقیدت اور عشقِ رسول کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے لیے موصوف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اس ماحول میں غزل سرائی کی باتیں تو عام ہیں مگر حمد و نعت گوئی سے جو شعرا بھی شغف رکھتے ہیں وہ قابلِ تحسین و مبارک باد ہیں۔ قدسیؔ صاحب پر سیدی رنگ کا اثر برقرار رہنا ان کے دین سے قربت کا اقرار نامہ ہے۔

قدسیؔ صاحب کی عالمانہ، فاضلانہ اور داعیانہ حیثیات قابلِ رشک ہیں۔ وہ دین کے

فروغ کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن کوشاں نظر آتے ہیں۔ ان کی شخصیت میں یک رُخا پن بالکل نہیں ہے۔ وہ مختلف الجہات شخصیت کے مالک ہیں۔ شاعری ان کا پاکیزہ شغل ہے۔ اشعار کو خوب صورت رنگ دینا وہ خوب جانتے ہیں۔ کہیں کہیں جدت کاری کی کوشش میں مشکل پسندی کا رنگ بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ جو شاعر کے وقار کو مجروح کرتا ہے۔ نیز اس کے شعری قد کو گھٹاتا بھی ہے۔ حد سے زیادہ پیچیدگی قاری کو ناگوار بھی گزرتی ہے۔ نیز اس کی تفہیم میں کافی ریاضت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ موصوف کو ثقالت پسندی سے سہل پسندی کی طرف آنے کی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو ان کے فن کی قبولیت کا دائرہ کافی وسیع ہو سکتا ہے۔ (اردو بک ریویو، جنوری فروری مارچ ۲۰۱۵ء)

وصیل خان، اردو ٹائمز، ممبئی

اپنے خیالات و افکار کو شعری پیکر میں ڈھالنا اور اسے نہایت خوب صورت اور دل آویز انداز میں پیش کرنا بلاشبہ ایک فن ہے لیکن اپنے بلیغ فکری وجدان کی اس طرح شعری تجسیم کرنا جس کا مطالعہ منجمد اور خوابیدہ ذہنوں کو جھنجھوڑ دے، ان میں حرکی قوت بھر دے یہ صفت بہت کم شعرا کے حصے میں آتی ہے۔ خصوصاً ایسے دور میں جب اردو ادب اور اس سے منسلک تمام شعبہ جات کا انحطاط عروج پر ہے۔ شعرا و ادبا کی ذمے داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں کہ وہ ایسا ادب تیار کریں جو کم از کم موجودہ دور کے ساتھ پوری قوت سے ہم آہنگ ہو اور سابقہ کمزوریوں اور فروگذاشتوں کی تلافی کر سکے۔ یہ دور ادب کے انحطاط کا دور ہے اور یہ صورت حال اردو ادب میں ہی نہیں دنیا کی بیش تر زبانوں کے ادب کا کم و بیش یہی حال ہے۔ سائنسی اکتشافات و ایجادات نے عام اذہان کو اپنی جانب متوجہ کرلیا ہے۔ نتیجتاً ادب کا کوئی پرسانِ حال نہیں دکھائی دیتا۔ اس نازک ترین صورت حال کو ادب آشنا بنانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ سارے جتن کیے جاتے جس سے اردو زبان و ادب کی گم گشتہ قدریں لوٹ آتیں۔ اردو کے قاری جو عنقا ہوتے جا رہے ہیں ان کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے۔ لیکن فی الحال اس طرح کی کوششیں مفقود ہیں۔ سید اولادِ رسول قدسیؔ اسی زوال پذیر زبان کے شاعر ہیں۔ ان کی محنت اور لگن دیکھ کر ایک اُمید ضرور بندھتی ہے کہ اردو کا مستقبل مایوس

کن ہونے کے باوجود تشویش ناک نہیں ہے۔قدسیؔ ایک حسّاس ذہن انسان ہیں۔وہ اپنے گرد و پیش کے نشیب و فراز پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے احساسات کو نتیجہ خیز اشعار کی صورت میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سماج کی ہر اچھی بُری تصویر پوری وضاحت کے ساتھ اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔ان کے یہاں قریاتی اور بلدیاتی تہذیب و معاشرت کا خوب صورت امتزاج ان کے اشعار کو معنی خیز انفرادیت عطا کرتا ہے۔جس نے ان کی شاعری کو دو آتشہ بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔معاشرتی زوال وانحطاط سے جب وہ متاثر ہوتے ہیں تو ان کے اشعار تیکھے اور تیز ہوجاتے ہیں۔جس کی شدید آنچ متعدد اشعار میں محسوس کی جاسکتی ہے۔لیکن جب روایاتِ صالحہ اور قدروں کی آفاقیت کی بات ہوتی ہے تو ان کا قلم انتہائی سبک و شیریں مزاج ہوجاتا ہے۔ان کے یہاں جدید ترکیبوں اور محاوروں کا استعمال بھی نہایت خوب صورت انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ان کا یہ وصف معاصر شعرا کے درمیان انھیں منفرد بنا دیتا ہے۔اصلاً شاعری کی معراج بھی یہی ہے جو انسانی ذہن میں ارتعاش پیدا کردے، آنکھوں سے نیند اُڑا دے، تجزیاتی سطح سے گزارتے ہوئے خود احتسابی پر مجبور کردے۔سید اولادِ رسول قدسیؔ اس فضا سازی میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

سید محمد اشرف میاں برکاتی

علامہ سید اولاد رسول قدسی چوتھی بار اپنے عشق رسول کا ثبوت ''لب ولہجہ'' کے ذریعہ دے رہے ہیں۔اس سے پیشتر قدسیؔ اپنے مجموعہ ہائے کلام ''گل ہائے قدسی''، ''انوارِ قدسیؔ'' اور ''گل ولالہ'' کے ذریعہ تین مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں نذر گزرانے کا شرف حاصل کرچکے ہیں۔ان کے ہم عصر معاصرین میں کم ہوں گے جنھوں نے کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے فنِ نعت کی اتنی اور ایسی خدمت کی ہو۔

پروفیسر عنوانؔ چشتی

''نعت'' کا لفظ خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مدح میں استعمال ہونے والے الفاظ واسالیب کے لئے برتا ہے اور حضرت علی نے رسول کی مداحی کرتے ہوئے اپنے

لئے لفظ ناعت کا استعمال کیا ہے۔اس لئے نعت نگاری ایک مقدس فن ہے اور ناعتِ رسول اکرم ہونا بڑی سعادت ہے مجھے خوشی ہے کہ جناب سید اولا د رسول قدسیؔ صاحب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناعتوں میں شامل ہیں۔ میں انہیں اس سعادت پر مبارک باد دیتا ہوں۔

ڈاکٹر خواجہ اکرام

سید اولادِ رسول قدسی ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔آپ کو علوم دینیہ کے باوصف شاعری پر بھی کمال کا عبور حاصل ہے۔نعت اور غزل ان کی محبوب صنف سخن ہے۔ دونوں اصناف میں ان کے فن کی جلوہ طرازیاں قابل دید ہیں۔ان کے لب و لہجے میں کلاسیکی رچاؤ اور دردمندی کا احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔نعتیہ شاعری میں ان کا اسلوب جدّت کا حامل ہے۔ جہاں ان کے اشعار عشق کی سرمستی اور سرمدی جذب وکیف میں ڈوبے ہوئے ہیں وہیں بعض اشعار ایسے ہیں جو اخلاق ونصیحت پر مبنی ہیں۔نعت گوئی کی عام روایت یہ رہی ہے کہ اس میں عشق رسول پر مبنی اشعار ہی کہے جاتے ہیں۔مگر سید اولادِ رسول قدسیؔ نے عشق اور نصیحت کے درمیان جو ربط قائم کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔مثلاً ؎

نالاں ہے مسلمان کے کردار سے اسلام
اِک تلخ حقیقت ہے یہ افواہ کہاں ہے
بنتا ہے رحمتوں کا وہی مرکزِ نگاہ
شیشے کی طرح قلب جس انساں کا صاف ہے

اُردو شاعری میں نعت اور مرثیہ دو ایسی اصناف ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق مذہب وعقیدہ سے ہے۔ان دونوں اصناف میں طبع آزمائی کرنے والے شروع سے کم رہے ہیں۔ کیونکہ اس میدان میں محض فن پر قدرت کافی نہیں، جب تک جذب وشوق نہ ہو۔ اس صنف میں شعر کہنا مشکل ہے۔ بالخصوص نعت پاک کا فن اور بھی مشکل ہے۔ کیونکہ ذرا سی لغزش سے نہ صرف فن مجروح ہوتا ہے بلکہ فنکار قعرِ گمراہی تک پہنچ جاتا ہے۔سید اولادِ رسول قدسی چونکہ عشق رسول کی عظمتوں اور اس منزل کے اسرار ورموز سے واقف ہیں اسی لئے ان کے کلام میں جذب وکیف اور محبت کی سرشاری کے ساتھ ساتھ فکر وخیال کی بلندی نظر آتی

ہے۔اظہارِ جذبات کا شعور اور لفظوں کا خوبصورت استعمال عشق رسول کا بھی غماز ہوتا ہے اور قاری کے لیے کبھی مہمیز کا بھی کام کرتا ہے۔مثلاً ؎

زخم اس کے بنے باغِ جنت کے پھول
راہِ حق میں جو جانباز گھائل ہوا

یہ میری سعادت ہے کہ ''لَوحِ مَحفُوظ'' پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔خدا سے دعا گو ہوں کہ نعت پاک کے طفیل ہمارے دل کو عشق نبی کا گنجینہ بنا دے۔

مخمور سعیدی دہلی

جناب سید اولادِ رسول قدسیؔ ایک علمی اور دینی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔علم وادب اور دین کی خدمت کا جذبہ انہوں نے ورثے میں پایا ہے۔عربی، فارسی اور اُردو کے علاوہ وہ انگریزی پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں۔کئی زبانوں سے قریبی شناسائی اور ان کے علمی اور ادبی ذخیرے سے خاطر خواہ بہرہ یابی نے انہیں فکر ونظر کی وہ وسعت عطا کی ہے جس کا اظہار ان کی شاعری سے ہوتا ہے۔

شاعری میں اپنے مشاہدات اور محسوسات کا اظہار اس طور پر کرنا کہ اس سے شاعر کا ایک مخصوص لہجہ سامنے آئے اور اسے ہم عصر شاعروں کی بھیڑ میں ایک جُداگانہ پہچان مل سکے، آسان کام نہیں۔اس کے لیے عالم شناسی کے ساتھ ساتھ خود شناسی بھی ضروری ہے اور جس زبان میں آپ شعر کہہ رہے ہیں اس پر کامل قدرت اور اس کی شعری روایت سے پوری پوری آگاہی بھی۔قدسی صاحب کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے متصف ہیں اور ان کے یہ اوصاف ان کی غزلوں اور ان کی نعتوں میں یکساں طور پر جلوہ گر ہیں، ان کی غزلوں کی طرح ان کی نعتیں بھی رسمی مضامین کا رسمی انداز میں اظہار نہیں کرتیں۔ان میں جذبے کی سچائی اور فکر کی نُدرت صاف طور پر جھلکتی ہے۔غزلوں میں پیکروں اور علامتوں کی وافر موجودگی بھی ان کے مخصوص رجحان کو ظاہر کرتی ہے۔ میں ان کے کلام پر بہت لُطف اندوز ہوا، سوائے اسکے اُس حصّہ کو چھوڑ کر جو آزاد غزلوں پر مشتمل ہے۔مذہب کی طرح ادب میں بھی بدعت حسنہ کی گنجائش ہے اور اکثر اس کا قبول کرنا یا اسے اختیار کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے لیکن بدعت قبیحہ کا نہ مذہب روادار

ہوسکتا ہے نہ ادب۔ آزاد غزل ایک ایسی ہی بدعت ہے جسے کوئی سلیم الطبع شخص قبول کرے تو افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی۔ میں قدسیؔ صاحب کے تابناک مستقبل کا متمنی ہوں۔

سید شاہ اویس مصطفیٰ قادری، بلگرام شریف

سیّد اولادِ رسول قدسی ایک باکرامت خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، ان کے ساتھ کئی بافیض نسبتیں جڑی ہوئی ہیں۔ سلسلۂ اشرفیہ، سلسلۂ برکاتیہ، سلسلۂ رضویہ اور سلسلۂ حبیبیہ کے انوار و تجلّیات سے ان کے اوراقِ حیات روشن ہیں۔ ان کے والد ماجد مفتیٔ اعظم اڑیسہ حضرت مولانا مفتی سیّد شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کا تارک الدنیا مجاہد ملّت حضرت علّامہ شاہ حبیب الرحمٰن قادری عباسی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفا و تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد ملّت بہت ساری فضیلتوں کے جامع تھے۔ نسبتوں کے احترام کا ان کا جو اپنا انداز تھا اسے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کی ذات تا حیات رضویاتی کلچر کی ترویج و تبلیغ میں مصروف رہی۔ انہیں سفیر فکر رضا ہونے کا بجا طور پر حق حاصل تھا، اب آپ جیسی جامع کمالات شخصیات کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں۔ کسی کہنے والے نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ؂

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

سیّد اولادِ رسول قدسی کو اپنے والد ماجد اور مرشد گرامی حضرت مجاہد ملّت کے مکتب عشق و عرفان میں بیٹھنے کے خوب مواقع ملے ہیں، اس لیے ان کے جینے کا انداز بھی مذکورہ شخصیات سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اس دورِ انتشار میں اسلاف کی ڈگر پر قائم رہنا بہت بڑی بات ہے۔ جن افراد و اشخاص کی حرکت و عمل سے اسلاف نوازی کے جذبے کو فروغ مل رہا ہو ان کی ہر حال میں عزت افزائی ہونی چاہیے۔ دیارِ غیر میں دین اسلام یعنی مسلکِ اعلیٰ حضرت کی تبلیغ و ترویج ہتھیلی میں انگارہ رکھنے کے مترادف ہے، لیکن معمولات و مشاغل جب عشق کی سرحدوں میں داخل ہو جاتے ہیں تو کٹھن راہوں سے گزرنے میں انسان ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے، اس کیفیت کی تصویر لفظوں سے کھینچی نہیں جاسکتی۔ مسلکِ اعلیٰ

حضرت بچوں کا کھلونا نہیں ہے بلکہ یہ دین اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح ہے، ہمارے بزرگوں نے اس کی شادابی میں اپنا خونِ جگر صرف کیا ہے۔ پھر بھی بعض افراد شکوہ کناں ہیں اگر ان کے علم اور مطالعہ میں وسعت ہوتی تو وہ اس مرض کے شکار نہ ہوتے۔

سیّد اولادِ رسول قدسی کی دینی وعصری علوم وفنون کی مختلف شاخوں پہ گہری نظر ہے اس لیے ان کی ہر پیش کش میں انفراد بھی ہوتا ہے اور امتیاز بھی۔ ان کی ذات یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کی زندہ وتابندہ تصویر ہے۔ وہ کام پہ یقین رکھتے ہیں اور کام ہی انسان کو بڑا بناتا ہے۔ ان کا محبوب مشغلہ نعت گوئی ہے۔ اس میدان میں انھوں نے اپنے گہرے اور دیرپا نقوش اُجاگر کیے ہیں۔ ہماری پرخلوص دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دارین کی سعادتوں سے بہرہ ورفرمائے۔ آمین

حضرت سیّد شاہ گلزار میاں واسطی مسولی شریف

سیّد اولادِ رسول قدسی سے بالمشافہ میری ملاقات نہیں ہے لیکن ان کا نام نامی، اسمِ گرامی دیدہ وشنیدہ ہے، ان کی نثری وشعری نگارشات سے نگاہیں شادکام ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی نگارشات کے مطالعہ سے بھی ایک بڑے عالم، دانشور اور محقق شخصیت کا تصور ابھرتا ہے۔ یوں تو ان کی ذات بہت ساری خصوصیات کی حامل ہے، ان خصوصیات میں دو خصوصیت مجھے بہت زیادہ متاثر کرتی ہیں ایک ان کی نعت نگاری اور دوسرے مسلکِ اعلیٰ حضرت سے ان کی جنون کی حد تک وابستگی، ان کی نعت نگاری جدید احساسات ومیلانات کی ترجمان ہے۔ ان کے شعری دواوین کے مطالعہ سے عشق حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنچ تیز ہوتی ہے، اور ایک دردمند قاری تصور میں حضوری کی لذت سے آشنا ہوتا ہے۔ ان کی فکری طہارت وپاکیزگی، جدت وندرت اور گہری بصیرت انھیں معاصر نعت گوشعراء میں منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ انہوں نے صنف نعت کو جو اسلوب اور جذبے کی تپش دی ہے اس کی قرنوں تقلید ہوتی رہے گی۔ ان کے شعری ونثری فن پاروں پہ گفتگو کے لیے علم، مطالعہ اور وقت کی ضرورت ہے اور یہاں علم ہے، مطالعہ ہے اور نہ وقت ہے۔

سیّد اولادِ رسول قدسی کی کتابِ حیات میں نعت گوئی کا عنوان سب سے نمایاں ہے

لیکن انھوں نے نعت کے پہلو بہ پہلو نثری ادب میں بھی گہرے نقوش اجاگر کیے ہیں۔ اس وقت ان کی دو تحقیقی کتابیں ''قلم آشنا، مفتیٔ اعظم اڑیسہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت'' میرے پیشِ نگاہ ہیں، یہ دونوں کتابیں صوری و معنوی اعتبار سے بڑی اہم ہیں۔ یہ کتابیں بڑے پیمانے پر تشہیر کا تقاضا کرتی ہیں تاکہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے خلاف جن ذہنوں میں جراثیم پل رہے ہیں ان کا موثر اور بروقت علاج ہو سکے۔ اس وقت صلح کلّیت بڑے فتنے کے روپ میں سامنے آئی ہے۔ صلح کلّیت کا سب سے بڑا نشانہ مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے، اس لیے مسلکِ اعلیٰ حضرت کی پاکیزہ صدائیں جب تک فضاؤں میں گونجتی رہیں گی اور اس کا عملی اظہار ہوتا رہے گا صلح کلّیت اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس لیے ہر عالم کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ صلح کلّیت کے خلاف خود کو سیّد اولادِ رسول قدسی کے روپ میں پیش کرے۔ یہ دور فتنوں کا دور ہے اور فتنوں کے وقت خاموشی بہت بڑا جرم ہے۔

ہم سید اولادِ رسول قدسی کے نام سے بھی محبت کرتے ہیں اور ان کے کام سے بھی۔ دیارِ غیر میں رہ کر جس جرأت و ہمت سے وہ کام کر رہے ہیں، یہ انھیں کا جگر ہے۔ ان کی ذات ہر جہت سے پوری جماعت کی طرف سے مبارک باد کی مستحق ہے رب کائنات انھیں ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین

محمد رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئ

سید اولادِ رسول قدسی کی شاعری تقریباً تین دہائیوں کو محیط ہے تین دہائیوں کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا۔ اس عرصے میں انسان کی فکر و نظر کو ترفع حاصل ہوتا ہے اور اس کے حریم دل میں ہزاروں لطیف تجربے بود و باش اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر انسان ان بکھرے ہوئے جذبوں کو سمیٹ کر شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ پاکیزہ و مطہر فکر کی کوکھ سے جو اشعار جنم لیتے ہیں ان میں بڑی گہرائی اور جاذبیت ہوتی ہے۔ جو روح کو جمالیاتی نشاط و بہجت سے ہم کنار کرتی ہے۔ قدسی کی غزل گوئی جدید رجحانات و احساسات کی نمائندگی کرتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نامساعدات میں گھر کر بھی آپ نے غزل کے تقدس اور اس کی آفاقی قدروں کو مجروح ہونے نہیں دیا۔ یہاں ایک بات عرض کر دوں علماء میں بہت کم حضرات شاعر ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ لوگ ان علماء کو زاہد خشک کا درجہ دیتے

ہیں لیکن چاہے شعر گوئی ہو یا عرفانِ الٰہی، عشق مجازی ہو یا عشق حقیقی ہر جگہ سوز و گداز کا ہونا ضروری ہے جس کے دل میں سوز و گداز گھر کر گیا ہو وہ ہر میدان میں کامیاب ہوتا ہے بعض صوفیائے کرام نے تو اپنے مریدوں کو کسی دنیوی شاہد سے عشق کرنے کا نسخہ پیش کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی حسین سے عشق ہو جائے تو شیخ کے لیے اس سے وابستہ تمام قلبی آلائشوں کو یکجا کر کے باہر پھینک دینے اور اس کی جگہ یکسوئی کے ساتھ عشق الٰہی میں غرق ہونے کا عمل آزمانے میں بڑی سہولت ہوتی ہے گویا عشق مجازی عشق حقیقی تک پہنچنے کا ایک زینہ ہے۔ بقول امجد نجمی۔

سب دیکھتے ہیں حسنِ دلآویز کو تیرے
میں حسن میں اک شانِ خدا دیکھ رہا ہوں

دل میں آ کر جذبہ عشق صادق ہو تو یہ عشق اپنے آپ کو غزل کی شکل میں بھی ظاہر کر سکتا ہے اور نعت و حمد کی شکل میں بھی کہنے کا مقصد یہ ہے کہ قدسی سوز و گداز سے لبریز ایک دھڑکتا ہوا دل رکھتے ہیں اور جامیؔ، سعدی، رومی اور حافظ کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام اور علمائے کرام بھی شاعری کے میدان میں ہفت اقلیم طے کر سکتے ہیں اور واردات قلبی کے اظہار میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی ریڈر طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، قرول باغ، نئی دہلی

سید اولادِ رسول قدسی کے مجموعۂ کلام ''رفتہ رفتہ'' کا مسودہ نظر نواز ہوا جو حجم کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن معنویت کے لحاظ سے ''دریا در کوزہ'' کا مصداق ہے۔ شاعر جو کچھ سوچتا ہے جب تک وہ حواس باطن کی اقلیم میں رہتا ہے اس میں پاکیزگی، لطافت اور شفافیت بہت ہوتی ہے جو الفاظ کے ذریعہ شعر کے قالب میں ڈھلتے ڈھلتے کم ہوتی جاتی ہے۔ ایک اچھے شاعر کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ احساسات و خیالات کے اظہار کے لیے ایسے مناسب الفاظ کا انتخاب کرے جو مفہوم کی حقیقی تعبیر سے قریب تر ہوں۔ سید اولادِ رسول قدسیؔ کے کلام میں یہ خوبی جامعیت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور یہی جامعیت جب انتہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک ایک شعر سخنی بگفتی و قیمت برفت لولوراع سے عبارت ہو جاتا ہے۔ علامہ نیاز فتحپوری کا خیال ہے کہ حقیقی شاعری نام ہے حقیقتوں کے احساس و اظہار کا ایسی زبان اور ایسے لب و لہجہ

میں کہ ان حقیقتوں کے سمجھنے کے لیے ہم کو زبان اور لب ولہجہ کو سمجھنے کی ضرورت پیدا نہ ہو۔ لیکن شعر کی اس سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مطلب نہ بیان کیا جا سکے یعنی تمام تر تعبیر وتشریح کے بعد بھی یہ احساس باقی رہ جائے کہ ہنوز بہت کچھ بیان کرنے سے رہ گیا ہے۔ قدسؔی کے صحیفۂ غزلیات میں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے جن کو پڑھ کر بے اختیارانہ طور پر واہ نکل جاتی ہے اور اس واہ کی تعبیر لفظوں کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔

عبدالمتین جامی اُردو بازار، پدما پور، کٹک (اڑیسہ)

سید اولادِ رسول قدسؔی کی آزاد نظموں کا مجموعہ ''لمحہ لمحہ'' کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی نظم گوئی کا مرکز ومحور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا تحفظ ہے۔ تاہم یہ بات بھی میرے ذہن کے افق سے اُبھرتی ہے کہ کاش یہ تمام نظمیں پابند نظموں کے پیرائے میں ہوتیں۔ میرے خیال میں اس طرح سے اسلوب بیان میں تھوڑی سی تبدیلی ان نظموں کو لازوال تخلیقات کا قابل اعتبار درجہ عطا کر دیتیں۔ بہر کیف قدسؔی صاحب لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے اتنے کم عرصے میں اتنی ساری خوبصورت نظموں کا تحفہ دے کر اُردو شعر وادب کے سرمائے میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آرہی ہے کہ عموماً جدید شعراء ہوں کہ قدیم شعراء محض غزل گوئی پر اپنی پوری توجہ صرف کررہے ہیں۔ چند ہی استاد شعراء ایسے ہیں جن کے یہاں نظم نگاری کے علاوہ اُردو کی دوسری اصناف سخن میں دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔ تاہم یہ خوش آئند بات ہے کہ سید اولادِ رسولؔ قدسی نئی نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود اُردو شاعری کی مختلف صنفوں پر طبع آزمائی کی ہے اور ہر مقام سے سرخ رو ہو کر گزر رہے ہیں جس کے نتیجے میں آج ''لمحہ لمحہ'' جیسا مجموعہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس مجموعے کی ادبی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

پروفیسر انوار احمد زئی پاکستان۔

اب تھوڑی سی بات نظم کی بھی ہو جائے اور اس ضمن میں ''فکر مسلسل'' میں قدسی کی نظموں کے مسودے ''لمحہ لمحہ'' پر نہایت خوبصورت اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی نے اُردو نظم کی اساسی منزل کا ذکر کیا ہے۔ مگر میرے سامنے اس وقت قدسی صاحب کی منظوم

سیرت ہے ''سیرت سرورِ دو جہاں'' جو دراصل پابند نظم کی محدودات سے ماورئ نظم معریٰ یا نظم غیر پابند یا نظم آزاد میں ہے یقیناً نثری نظم میں نہیں ہے۔قدسی صاحب نے اس صنف کو جس خوبی سے برتا ہے اسے دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ سیرت نگاری کے لئے جس فکری، ایمانی، تاریخی اور محاکاتی بہاؤ کی ضرورت تھی وہ اس اسلوب سے پوری ہو سکتی تھی۔ تاہم جو بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ تاثر شاید درست نہیں کہ اُردو ادب میں صنف نظم کا ملتا ''مغربی ادب سے آئی ہے۔ یہ تاثر دراصل نظم کے اتحادِ ثلاثہ یا شعری مثلث کے حامل تین شاعروں کے حوالے سے پیدا ہوا ہے یعنی الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسین آزاد۔۔۔۔۔۔۔ان تینوں کو اُردو نظم کا سرخیل مثلث کہا جاتا ہے اور یہ بھی اس لئے کہ ان تینوں سے بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے میں گورنمنٹ پنجاب بک ڈپو کے تحت مرتب ہونے والے مغربی ادب کے خزینوں کے اُردو تراجم کی زبان کی درستی کرتے ہوئے ان کی فکر سے یہی کشید کیا تھا اس لئے انہوں نے اُردو شعری مزاج کو رنگِ نو دینے اور انتقادی اصولوں کو وضع کرنے کے لئے مقدمہ شعروشاعری، شعرالعجم اور آبِ حیات کی تخلیقات کے سامان کئے تھے جبکہ سچ یہ ہے کہ ان کی نظم گوئی سے بہت پہلے نظیر اکبرآبادی نے اُردو کے خزینے میں اپنی بے پناہ نظموں کے نمونے ڈال دیئے تھے اس طرح وہ اپنے رنگ کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔آدمی نامہ اور بنجارہ نامہ، برسات کی بہاریں اس کا ثبوت ہیں اس لئے ہم اس صنف کے مقلد بننے کی بجائے موجد کہلوائیں تو مناسب ہے۔

قدسی صاحب کا اصل مزاج غزل کا ہے۔مگر جب ایمانیات کی مقناطیسیت کے سامنے آئے تو قدرت نے ان سے منظوم سیرت نگاری کا وہ کام لے لیا جس کی مثال اس اہتمام کے ساتھ پہلے نہیں ملی۔

سید صبیح الدین رحمانی پاکستان

ملی درد رکھتے ہوئے شاعری میں ادبیت اور شعریت برقرار رکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔لیکن جن کو اپنے پیغام کی روشنی پھیلانے کا جنون ہوتا ہے وہ اس میدان میں یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ سید اولادِ رسول قدسیؔ کی نعتیہ شاعری، دراصل ملی درد اور عصری گمراہیوں کی آگاہی سے پیدا

ہونے والے کرب کی وہ آواز ہے جس کی طرف امت مسلمہ کے ہر فرد کو متوجہ ہونا چاہئے!۔۔۔۔۔۔۔ ''فکر مسلسل'' کے تخلیقی وفور میں تلمیحاتی حسن اور واقعاتی صداقتوں کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کی تجلیاں بھی ضوریز نظر آتی ہیں۔ ساتھ ہی عصری مسائل اور گمراہیوں سے بچ نکلنے کے لیے رہنما اصول بھی نمایاں ہیں۔ میرے نزدیک قدسی کی شاعری اصلاحی نعت کے دائرے میں آتی ہے، جو ایک طرف روایت سے جڑی ہوئی ہے تو دوسری طرف تازہ کاری کی غماز بھی ہے۔ اس میں جا بجا مختلف اصناف کے پیکر میں فکری اور نعتیہ مضامین جلوہ آرا ہیں جو شاعری میں ایک کامیاب تخلیقی عمل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ قدسی کی شاعری میں ایک اور بات خصوصی طور پر دامن فکر کو اپنی طرف کھینچتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے افکار اور ان کے عشق نبوی کی چھینٹ نے ان کے کلام میں جگہ جگہ عقیدے کی پختگی اور عشق کی روشنی کے دائرے کو وسیع تر کر دیا ہے۔ میں اس خوبصورت نعتیہ مجموعے کا دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کرتا ہوں!!!

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد، خطیب و امام فتح پوری شاہی مسجد، دہلی

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کا پانچواں مجموعۂ نعتیہ کلام میرے سامنے ہے۔ اس سے پہلے چوتھے مجموعۂ کلام ''لب ولہجہ'' کا بھی میں نے مطالعہ کیا ہے۔ ماشاءاللہ ثم ماشاءاللہ۔ سیّد اولادِ رسول قدسیؔ جدید وقدیم علوم وفنون کے ساتھ علومِ قرآن کریم اور مضامینِ احادیثِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ ان کے دل میں عشق ومحبت کے وہ گرانمایہ ذخیرے ہیں جو الفاظ کی شکل میں صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ ان کے کلام میں جامعیت اور گہرائی ہے۔ روانی، سلاست اور شگفتگی ان کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ ابھی نوجوان ہیں ان شاءاللہ طویل عمر ہوگی تو ان کی شاعری کے مزید پوشیدہ پہلو سامنے آئیں گے۔ (قدسی شخص اور شاعر، ص: ۱۴۸)

حضرت مولانا بدر القادری، اسلامک اکیڈمی ہالینڈ

راقم الحروف بایں نسبت نعتِ رسول کے حوالے سے حضرت قدسیؔ کا مزید قدر داں ہے کہ یورپ وامریکہ کی اخلاق سوز، حیا کش دنیا میں حضرت قدسیؔ، حضور قدسیؔ مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُخِ زیبا اور پیکرِ نوری کے ترجمان بن کر ابھر رہے ہیں۔ ہر سال ہالینڈ کی بزمِ نعت کے

مشاعرہ میں اپنے کلام سے شرکت فرماتے ہیں۔ نیز ان کی وصف بیانی سے امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے قلوب و اذہان عشقِ رسول کے شمامۃ العنبر سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت قدسی فکر و فن کے دھنی ہیں۔ زبان و بیان پر قدرت رکھتے ہیں۔ قادرالکلام ہیں۔ چھوٹی بڑی ہر طرح کی بحروں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں۔

آج جب کہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ ایک باقاعدہ صنفِ سخن کی حیثیت اختیار کررہی ہے۔ جہدِ مسلسل اور مساعیِ جمیلہ کے اس دور میں حضرت قدسی کی پرکشش نعتیہ اور غزلیہ شاعری کو ضرور ایک اہم مقام ملنا چاہیے۔

کسی ناعتِ مخلص کی سب سے بڑی آرزو تو یہ ہوتی ہے کہ حضور صاحب نعت ﷺ اس کے نذرانۂ محبت کو قبول فرمالیں۔ مگر کیا خوب ہو کہ الفت و محبت کے ان چمنستانوں کو ہم ایک تہذیبی رنگ بھی دے دیں اور اردو ادب میں نعتیہ شاعری کو اس کا باوقار مقام دلانے کی سعی کریں۔ (قدسی شخص اور شاعر، ص: ۴۷)

حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی

سیداولادرسول قدسی نعتیہ شاعری کے محراب و منبر کی عزّت و حرمت کے پاسدار واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے لب و لہجہ سے نعتیہ شاعری کی لوح و قلم کو نیا رنگ و آہنگ دیا ہے۔ نئے استعارات، منفرد تشبیہات، خوب صورت لفظیات اور جدّتِ تراکیب نے قدسی کے نعتیہ دیوان کو شعر و سخن کا شاہکار بنا دیا ہے۔ لفظ و معنی کی حرمت کا انہیں قدم بہ قدم احساس ہے۔ نعتیہ شاعری کی راہ میں فکر و خیال کے جن زادِ سفر کی بہر گام ضرورت ہوتی ہے مقامِ حمد ہے کہ قدسی کا دامنِ خیال اس سے محروم نہیں ہے۔ مشرقی علوم کی تحصیل میں قدسی نے اپنی حیاتِ عزیز کے قیمتی لمحات صَرف کیے ہیں۔ تب انہیں یہ مقام و مراتب عطا ہوئے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ بحرِ علم کے ساحل پر کھڑے تماش بینوں میں نہیں ہیں بلکہ اس میں انہوں نے مستقل شناوری کی ہے اور یہ مشغلہ آج بھی ان کی زندگی کا ایک اہم حصّہ ہے۔ ان کی شاعری میں بحرِ علم کی شناوری کا احساس و ادراک کیے بغیر آگے نہیں بڑھا جاسکتا۔ انہوں نے گوہرِ صدف سے اپنے کلام کے لیے خوب زیب و

زینت کا سامان فراہم کیا ہے۔قدسی کی نعتیہ شاعری کے تشکیلی عناصر میں جو شئے سب سے زیادہ نمایاں ہوکر سامنے آئی ہے وہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔یہی وہ عنصر ہے جس نے قدسی کی نعتیہ شاعری کو تب وتاب عطا کی ہے۔"فکرِ مسلسل"،قدسی کا ساتواں شعری مجموعہ ہے اس کا مطالعہ قارئین کے بے قرار جذبوں کو تسکین بھی دے گا اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تپش میں اضافہ بھی کرے گا۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم،ریڈر شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، دہلی

قدسی صاحب کو میں اسی وقت سے جانتا ہوں جب وہ درسِ نظامی کے طالب علم تھے اور وہ عصری علوم کی تکمیل کر کے ملک کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں صرف اور صرف اپنے والد ماجد کی تمنّا کی تکمیل کے لیے آئے تھے۔ورنہ والد ماجد کی آغوشِ تربیت سے انہیں کیا نہیں ملا تھا۔انہوں دورانِ طالب علمی سے ہی مشقِ سخن شروع کر دی تھی اور نعتِ رسول سے متعلق پاکیزہ خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے لگے تھے۔اسی وقت ان کا ایک نعتیہ دیوان چھپ کر حلقۂ علم وادب میں قبولِ عام حاصل کر چکا تھا۔درسِ نظامی کی تکمیل کرتے ہی وہ دینی مدارس کی روایت تدریس اور عصری درس گاہوں کی عصری تعلیم کے سنگم بن گئے۔قدیم وجدید تعلیم حاصل کرتے ہی ان کی شخصیت بڑی اہم اور پرکشش بن گئی۔عروس البلاد ممبئی میں کچھ دنوں دینی خدمت انجام دی اور پھر سات سمندر پار امریکہ چلے گئے جہاں وہ انگریزی زبان وادب میں مہارت کے باعث دعوتِ دین کا فریضہ جس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں وہ نہ یہ کہ صرف قابلِ ستائش ہے بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی تمام تر علمی اور دینی خدمات کو قبول فرمائے۔آمین! (قدسی شخص اور شاعر،ص:۷۷)

حضرت مولانا قمر الحسن بستوی

مولانا سید اولادِ رسول قدسی ایک طبع زاد شاعر ہیں۔تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔مگر ان کا یہ کارنامہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری سیرتِ طیبہ کو آزاد نظم میں رقم کرنے کا عزم رکھتے ہیں، یہ اس کا پہلا حصہ ہے۔حفیظ جالندھری صاحب نے صرف حضور کی حیات کے ان گوشوں کو نظمایا ہے جو غزوات وسرایا سے متعلق ہیں۔اسی وجہ سے "شاہ نامہ اسلام" حصہ چہارم جو غزوۂ احزاب (خندق) تک ہے صرف رقم

کیا جا سکتا ہے۔ مگر قدسی صاحب نے حیاتِ اقدس کے تمام گوشوں کا اِحتوا کرنے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اِس حسنِ ظن کو عملی جامہ پہنا دے۔

آزاد نظمی کے اسلوب میں اسوۂ حسنہ کا شعری سفر مترنم، مسلسل، مربوط اور رواں بھی ہے۔ جیسے کوئی خوب صورت آبشار سنگلاخ چٹانوں سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور لذتیات کی پوری توانائی کے ساتھ بہتا رہتا ہے۔ اس مخصوص اسلوب میں رقم کیا جانے والا میری دانست میں قدسی صاحب کا یہ پہلا شاہ کار ہوگا۔ اور یہ آزاد نظم میں سیرتِ نبوی رقم کرنے والوں کے میرِ کارواں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قدسی صاحب کو اس کا اجر عطا فرمائے اور اس کاوش کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

قافیہ و ردیف کی ثقالت کلام کے زبان زد خاص و عام بننے کی راہ میں شدید مزاحم ہوگی اور کوئی کتنا ہی خوش گلو ہو سامعین کو جھنجھوڑنے میں ناکام اور داد پانے سے محروم رہ جائے گا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اوراق کے دفینے تک وہ سرمایہ محصور ہو کر رہ جائے گا اور یہ چیز قدؔسی کی شاعری کے لیے کوئی نیک شگون نہیں ہے۔ اس لیے اگر قدؔسی مشکل پسندی کے حصار سے نکلیں اور سہل پسندی کے گنبد و مینار میں آ جائیں اور ان ہی ردیف و قافیہ کو اپنے چلبلے تخیل کی لوحِ مشق بنائیں جو سب کے لیے سہل الحصول ہو تو ان کے کلام کی نغمگی کی لہر کو کوئی اِس پار سے اُس پار جانے سے روک نہیں سکے گا۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ قدؔسی کی تمام نعتیں سہل ممتنع کے جواہر و عناصر سے عاری ہیں۔ نہیں ان کی بعض نعتوں میں تو سہل ممتنع کے باوصف جمالیاتی نشاط انگیزی، معنوی روانی و دوانی، تخیل کی مینا کاری و بلند پروازی اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔ حسنِ شعری کا ہر تیور قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتا اور کمیت کی تنگناؤں سے کیفیت کی وسیع فضاؤں میں پہنچا تا ہے۔ (قدسی شخص اور شاعر، ص: ۲۰۱)

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد

نعت نویسی عبادت ہے اور مذہب کے حوالے سے زبان و ادب کی غیر معمولی خدمت بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ادب کے جملہ عناصر کی ترکیب اور شاعری کے تمام لوازمات و

نوادرات کی یکجائی کے باوجود ناقدینِ ادب نے صنفِ نعت کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اِدھر چند برسوں میں نعت، تنقیدِ نعت اور صنفِ نعت کی تحقیقی نوعیت سے متعلق پاکستان میں خاصہ کام ہوا ہے۔ جس سے اس منفی رویہ کی شدّت میں کمی آئی ہے اور نعت کے عنوان پر لکھنے والوں کا ایک حلقہ تیار ہوگیا ہے۔ کئی ایک معیاری نعتیہ مجموعے بھی منظرِ عام پر آئے ہیں۔ یہ نعتیہ مجموعے محض عقیدتوں کے منظوم گلدستے نہیں بلکہ ادب کے اعلیٰ نمونے بھی ہیں جنہیں ہم ادب میں گراں قدر اضافہ کہہ سکتے ہیں۔

ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح اڑیسہ بھی نعت نویسی کی پاکیزہ روایت قائم رکھنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ عبدالمجید بھویاں حیاؔ، خاتم پہراجپوری، سلطان راجی، امین اللہ چرخی، مجرم سمبل پوری، ظہور الحق ظہوری، شمس الحق شمس، عبدالرحیم احسن، عرفان علی فدائی، مولابخش مولا، نور علی انور، عبدالعزیز عاشق اور رفیع الدین رفیعؔ جیسے شعرا نے اڑیسہ میں نعتیہ ادب کو زندہ رکھا ہے اور اسی سرزمین کے ایک عالمِ دین عربی، اردو اور انگریزی کے معروف اسکالر ہیں جناب مولانا سیّد اولادرسول قدسیؔ، جن کا تازہ مجموعۂ کلام ''لب ولہجہ'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے۔ یہ شاعر کا چوتھا مجموعۂ کلام ہے۔ جسے پڑھ کر یہ تاثر ملتا ہے کہ اس میں مطالعہ کی وسعت، فن کی پختگی، بیان کی ندرت اور عشقِ رسالت کے گوناگوں جلوے سمٹے ہوئے ہیں۔

سیّد اولادرسول قدسیؔ نے اپنی نعتوں میں سیرت رسولِ پاک کے مختلف جلوؤں اور دامنِ سرکار سے وابستہ عیب تناہی سے پاک صفات و معجزات کو جدید لب ولہجہ میں نظم کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔

جناب قدسیؔ خوش بخت ہیں کہ انہوں نے اپنی شاعری کو ان آلودگیوں سے پاک رکھا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ اور اپنی فکر کا محور اسی مرکزِ کائنات، اصل موجودات اور قبلۂ حاجات کو بنایا ہے جو کعبے کا کعبہ ہے اور مسلمانوں کا قبلۂ توجہ۔

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم چوں سمت کج کلاہے

(قدسی شخص اور شاعر، ص: ۲۰۳)

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر ساحل شہسرامی (علیگ)

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ اہلِ سنّت کے ایک قابلِ قدر فرد، ممتاز عالمِ دین اور بہترین ادیب ہیں۔ ان سے ذاتی سطح پر بالمشافہ تعارف کا اتفاق اس وقت ہوا جب وہ اہلِ سنّت کی عظیم درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں دینی علوم کے حصول کے لیے حاضر ہوئے۔ ۱۹۸۸ء کے اخیر میں انہوں نے جماعتِ رابعہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۲ء کے اوائل میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس پانچ سالہ مدّتِ تعلیم میں ناچیز کو ان کی علمی رفاقت کا شرف حاصل رہا۔ انھیں قریب سے دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس دوران مجھے وہ ایک ادب شناس، باذوق اور جفاکش ''طالب علم'' نظر آئے جو واقعی علم کے متلاشی تھے۔ ان کی کثیر الجہات شخصیت نے نگاہوں کو جلد ہی اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ طلبہ اور اساتذہ ان کے قدرداں اور مدّاح تھے اور رفقائے درس انہیں اپنی جماعت کے افتخار کا سرمایہ سمجھتے... قدسیؔ ہیں بھی بے حد جاذب، وجیہہ و شکیل، خوش اطوار، پاکیزہ گفتار، ملنسار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک۔ اس لیے طلبہ ان سے مانوس اور اساتذہ قدرداں تھے۔ یونیورسٹی بیک گراؤنڈ ہونے کے باوجود قدسیؔ میں طلبِ علم کی جیسی لگن دیکھی ویسی دوسروں میں کم نظر آتی ہے۔ ریاض و مشق، مذاکراتی نشست اور مطالعہ و افادہ ان کی پہچان بن کر رہ گئی تھی۔ ادبی ذوق اس پر مستزاد۔ شعر و سخن سے ناچیز کا بھی واجبی سا تعلق ہے۔ اس حوالے سے بھی قدسیؔ سے رابطے استوار تھے۔ کبھی وہ خود شعر سناتے، کبھی محفلوں میں میرے شعر بھی سن کر ''معقول'' حصّے پر داد سے نوازتے۔ لیکن میں ذرا تنہائی پسند انسان ہوں، اس لیے ہم درس ہونے کے باوجود تعلقات پر تکلف کا ایک باریک سا حجاب پڑا رہا۔ اس لیے میں ان کے فن کے اظہارات سے ہی واقفیت رکھتا ہوں۔

(قدسی شخص اور شاعر، ص: ۱۲۷)

حضرت مولانا عبدالمالک مصباحی

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کی نعتیہ شاعری اگر ایک طرف بارگاہِ رسالت میں شوقِ وارفتگی کے ساتھ نذرانۂ عقیدت ہے تو دوسری طرف دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پیوست ہو جانے والے اشعار کے ذریعہ باطل عقائد و نظریات کی بیخ کنی اور فاسد خیالات کی تردید بھی ہے۔

دین اور مذہب کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے والے افراد کی نشاندہی کرکے ان کے مکرو فریب سے باز رکھنا قدسیؔ کا بنیادی نقطۂ نظر ہے۔اس لیے انھوں نے اپنے اشعار میں جا بجا ان لوگوں کی نقاب کشائی کر کے عوام اہلِ سنّت کو ان سے دور رہنے کی تاکید کی ہے۔مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے توسل پر کچھ لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض ہے ان کی فہمائش کرتے ہوئے قدسیؔ نے بڑے نفیس انداز میں اسلامی تاریخ کے اس عظیم پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے۔جس میں بتایا گیا ہے کہ جنّت سے اس خاکدانِ گیتی پر جلوہ فگن ہونے کے بعد حضرت آدم علیٰ نبینا علی التحیۃ والثنا تقریباً تین سو سال تک اشکِ ندامت بہاتے رہے۔بالآخر جب اس نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے آپ نے دعا کی تو آپ کی دعا فوراً بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی۔اس سلسلے میں قدسیؔ رقم طراز ہیں

ہوئی ہے توبہ آدم کی جس اسم سے مقبول
کہو وسیلۂ عظمیٰ وہ نام ہے کہ نہیں
بلا وسیلہ وصالِ خدا نہیں ممکن
بشر حبیب سے مل کر خدا سے ملتا ہے

(قدسی شخص اور شاعر، ص:۱۸۵)

حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی، پرنسپل مدرسہ شمس العلوم بدایوں

سیّد اولادِ رسول قدسیؔ کے فکر و فن، شعر و ادب اور اس کے تجزیاتی مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ان کی شخصیت ایسی شخصیت ہے جس میں خوبیاں ہیں، کمالات ہیں اور جمالیاتی کیفیات کی بے شمار پرتیں ہیں۔اور وہ پرتیں اس قدر پُرپیچ ہیں کہ ان کا ادراک، احساس اور شعور آسان نہیں۔ان کی شخصیت میں گہرائی بھی ہے، وسعت بھی ہے، آگہی کا جمال بھی ہے اور شعری لطافتیں بھی ہیں۔ان کے شعری اظہارات کی تابانی ذہن و دماغ کے تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے۔ان کے فکری و شعری اثاثے میں ماضی کی یادیں، مستقبل کے خواب اور حال کے ایسے رموز و اسرار ہیں جو بمشکل نمایاں ہوتے ہیں۔ان اسرار تک رسائی کے لیے ایک قاری کو شدید جد و جہد کی ضرورت

پڑتی ہے۔ان کی ثقالت پسندی میں بھی لطف ولذّت کی ایک کائنات آباد ہے۔

قدسؔی کی جامعیت اور دیدہ وری کے لیے ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولانا توفیق احسن برکاتی

سیّد اولادرسول قدسؔی نے ابتدائی مذہبی تعلیم والد ماجد مفتی اعظم اڑیسہ سے پائی۔ ۱۹۷۹ء میں میٹرک اور ۱۹۸۲ء میں بی۔اے پاس کیا۔ ۱۹۸۵ء میں انگریزی اور ۱۹۸۷ء میں اردو زبان وادب میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی،عصری علوم کی تحصیل کے بعد ۱۹۸۸ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۲ء میں وہاں سے سندِ فضیلت اور دستار سے سرفراز کیے گئے اور اس کے بعد سے میدانِ عمل میں اتر کر جہاں مذہبِ حق کی تعلیم وتبلیغ میں مصروف ہیں وہیں اردو زبان وادب کی زلفِ برہم کی مشاطگی بھی کمالِ مہارت سے کررہے ہیں۔ ہندوستان میں چند برس گزارنے کے بعد دیارِ غیر میں مستقل اقامت پذیر رہتے ہوئے غزل اور نظم کے ساتھ تقدیسی شاعری کے ذریعے اردو کی نئ بستیوں کو جوشعری تمازت اور خوش ذوقی عطا کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۵ برس کی عمر سے انہوں نے شاعری شروع کی۔ مسلسل تین دہائیوں سے زائد عرصے کی شعری وفکری ریاض نے قدسؔی کے فکروفن میں وہ توانائی،ادبیت اور شفافیت بخش دی ہے جس کے حامل شعراوادبا خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ صرف میں مذہبی ادب کے حاملین کی بات نہیں کررہا ہوں بلکہ اس عموم میں غزل اور نظم کا ہر شاعر وادیب داخل ہے۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے سیّد اولادرسول قدسؔی کے اکثر غزلیہ،نظمیہ اور نعتیہ مجموعوں کا مطالعہ کیا ہے اور کئی ایک پر خامہ فرسائی بھی کی ہے۔

(ماہنامہ سنّی دعوتِ اسلامی،ممبئی،ستمبر ۲۰۱۴ء،ص: ۴۴)

حضرت مولانا ظفر قادری پوکھریروی،سیتامڑھی،بہار

بلاشبہہ نعت گوئی عبادت ہے لیکن غزل گوئی اگر اس کا رُخ محبوبِ حقیقی کی سمت ہے تو اسے بھی عبادت کا درجہ حاصل ہے غزل میں جو چھوٹ ہے وہ نعت میں نہیں۔نعت میں قدم

قدم پر خطرات کے پرندے بال و پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں۔تھوڑی سے لغزش ایمان و عمل کی تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔اس راہ میں سفر کرنے والوں کے لیے شرعی علم اور عملِ صالح کے سرمائے کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔خشیت الٰہی اور حبِّ رسالت پناہی کی پونجی اگر ساتھ میں ہو تو اچھی نعتوں کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔

سیّد اولادرسول قدسؔی دینی و دنیوی دونوں علوم سے بہرہ ور ہیں۔انہوں نے نعت و غزل دونوں اصناف میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا استعمال کیا ہے اور ہر راہ سے کامیابی کے ساتھ گزرے ہیں۔ان کے ''لب لہجہ'' میں بڑی مٹھاس شیرینی ہے۔انہوں نے بنجر زمین پر ''گل ولالہ'' کھلائے ہیں۔ان کا قاری ''لوحِ محفوظ'' کے انوار و عرفان سے لذتِ عشق کشید کرتا ہے۔ان کی شاعری ادب میں بیش بہا اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔شاعری کے میدان میں موصوف نے جو چراغ روشن کیے ہیں ان کی روشنی ادب کے صحرا میں بھٹکنے والوں کو سمتِ منزل کا پتہ دیتی رہے گی۔ہمیں مستقبل میں ان سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔(پیغامِ رضا، جنوری ۲۰۰۵ء، ص: ۱۳۱)

ڈاکٹر غلام زرقانی، ہیوسٹن، امریکہ

یہی کوئی چند ماہ قبل کی بات ہوگی جب دورانِ گفتگو حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسؔی نے فون پر بتایا کہ وہ آزاد نظم کے قالب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ جمیل کی جھلکیاں سمونے کی کوشش کررہے ہیں۔اور آج جب کہ وہ خواب حقیقتِ محسوس کی شکل میں میری میز پر جلوہ گر ہے تو عقل حیران ہے کہ اتنا ضخیم دستاویز اور اس قدر قلیل مدت میں، یقیناً اسے فیضانِ بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ جب وہ اپنی عنایاتِ بے پایاں سے کسی کو نواز دیں تو عقل کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں، افکار کے روزن سے آمد شروع ہوجاتی ہے اور موزوں کلام صفحۂ قرطاس پر تیزی کے ساتھ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔

میں اپنی قوتِ حافظہ کی بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ منظوم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثالیں تو مل جاتی ہیں، لیکن آزاد نظم کی صورت میں سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ یہ حقیقت اگر تسلیم کرلی جائے تو حضرت قدسؔی مدظلہ العالی اس میدان

کے اولین شہسوار قرار پائیں گے۔ یہاں پہنچ کر مجھے کہنے دیا جائے کہ پامال شدہ راستے پر سفر کرنا قابل قدر ضرور ہے، لیکن عقل وخرد، فکر وجستجو اور تحقیق و تدقیق کے پیچیدہ میدان میں اپنے لیے نئی راہ تلاش کرنا سب کے بس کی بات نہیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ حضرت قدسیؔ نے نہ صرف اس نئی راہ کو ڈھونڈ نکالا بلکہ کمالِ ہنرمندی کے ساتھ اس پر چل کر وہ منزلِ مقصود تک پہنچ بھی گئے ہیں۔

نعت پاک کے ہر شعر میں ایک نئی فکر کے اظہار کی گنجائش ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے الفاظ وتراکیب کا بحر ذخار بھی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے، لیکن طے شدہ واقعات کو تسلسل اور ربطِ باہمی کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فکر کی آزادی سلب ہوجاتی ہے اور پھر الفاظ وتراکیب کا دامن بھی تنگ ہوجاتا ہے۔ ایسے نازک موڑ پر موضوع کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اسے شعر کے قالب میں ڈھالنا امرِ مشکل ہے۔ اس حوالے سے آپ جگہ جگہ یہ محسوس کریں گے کہ حضرت قدسیؔ کمالِ قدرت کے ساتھ ان مشکلات سے بآسانی گزرتے چلے گئے ہیں۔ (سیرتِ سرورِ دوجہاں، ص ۴۸۔۴۹)

حضرت مولانا عبدالرزاق پیکرؔ، الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ

سید اولادِ رسول قدسیؔ شعروادب کے حوالے سے کوئی نیا نام نہیں ہے۔ وہ بڑے کہنہ مشق، بلند خیال اور زود گو شاعر ہیں۔ عہدِ حاضر کے اصحابِ نقد ونظر نے ان کی شاعری کو خوب سراہا ہے۔ ان کی پوری زندگی اسی دشت کی سیاحی میں گذری ہے۔ وہ اس کے پیچ وخم اور ہر نشیب وفراز سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ اپنی محنت وریاضت سے انھوں نے جو ہمہ گیر شہرت وعظمت کا حسین تاج محل تعمیر کیا ہے وہ ہر نگاہ کو خیرہ اور ہر دل کو مسرور کرتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ شعروادب میں کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ پامال زمین پر چلنا، ان کی فنی وفکری عظمتوں کے خلاف ہے۔ وہ خود اپنے فن کا انتخاب اور اپنی زمین خود ایجاد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا ہر شعری مجموعہ لب ولہجہ، ردیف وقافیہ و دیگر ادبی ولسانی محاسن کے اعتبار سے اچھوتا اور منفرد ہوتا ہے۔ حدتو یہ ہے کہ ان کی مذہبی شاعری بھی اسی رنگ وآہنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ گویا وہ اپنے فن میں بڑے سخت جاں واقع ہوئے ہیں۔ یہ وہ ڈگر ہے جس پر چلنے سے بڑے بڑے شعرا کے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں۔ اردو میں مذہبی

شاعری کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہے۔ ن،م راشد اور محمد ثناء اللہ ڈار کو اس کا سرخیلِ کارواں سمجھا جاتا ہے۔ آج کے عہد میں اس روش پر چلنے والے ادبی ستاروں کی کمی نہیں ہے، ایک سیلاب ہے کہ دن بہ دن اُمڈا چلا آرہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اردو میں سیرت النبی کے عنوان سے آزاد شاعری کے نمونے مل جاتے ہیں لیکن مبسوط اور مکمل طریقے سے ایک خاص اعتبار و وقار کے ساتھ اس کی منزلیں سر کرنے والے بالکل باب شاذ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آزاد شاعری کے اُفق سے طلوع ہونے والا یہ منفرد شاعر، جو اولادِ رسول قدسیؔ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ نئے رنگ و آہنگ اور جدید طرز کی فنکاری و ہنرمندی کے لحاظ سے ان کا کوئی دوسرا ہمسر نظر نہیں آتا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ منظوم ''سیرتِ سرورِ دو جہاں'' ایک قابلِ قدر کارنامہ بھی ہے اور شعر و ادب کے باب میں خوب صورت اضافہ بھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی کہنہ مشق شاعر کے لیے طے شدہ عنوان کی روشنی میں نظم لکھنا آسان ہے، کیوں کہ اس کے سامنے فکری آزادی کی وسیع تر فضا موجود ہے لیکن سیرتِ نبوی اور اس سے ملحق تمام اخلاقی، علمی، عملی، سماجی، سیاسی اور جنگی حالات و واقعات کو موضوعِ سخن بنانا، کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ کیوں کہ یہاں وہ آزادی میسر نہیں جو دوسری نظموں میں موجود ہے۔ نہ خیالات اپنے ہیں، نہ واقعات۔ یہاں شاعر محدود دائرے میں رہ کر تاریخی سرمائے کو شعری زبان میں منتقل کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ گویا یہ شعری عمل، ہر اعتبار سے کسی بھی شعری تخلیق سے زیادہ کٹھن ہے۔ لیکن اولادِ رسول قدسیؔ نے اپنی شعری مشق و مہارت اور فنی ممارست سے مکمل سیرتِ نبوی کو آزاد نظموں میں اس انداز سے پیش کیا ہے کہ ہر قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کوئی نثری کتاب مطالعہ کر رہا ہے۔ منظوم سیرت کا ہر باب تاریخی معلومات کا خزانہ ہے، جن کے ہر پیرائے بلکہ ہر جملہ و ہر لفظ سے شاعر کی پروازِ فکر اور عشقِ رسول کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ یہ شعری تصنیف موضوع، فن، مواد، عناوین ہر لحاظ سے نہایت کامیاب اور جاذب نظر ہے۔

مولانا انیس عالم سیوانی

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھا۔ سید اولادِ

رسول قدسیؔ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ انھوں نے درجاتِ عالیہ میں داخلہ لیا تھا۔ اِدارے میں ان کی حیثیت بہرحال ایک طالب علم کی تھی لیکن ان کی جسامت وقدامت اور شکل وشباہی ایسی تھی کہ دیکھنے والے انھیں جامعہ کا استاذ سمجھتے تھے۔ انھوں نے عصری تعلیم کی تکمیل کے بعد دینی درس گاہ کا رُخ کیا تھا اور دینی تعلیم کی بھی بیشتر منزلیں طے کر چکے تھے۔ جامعہ میں داخلہ کے وقت سند کے اعتبار سے مولانا کے علاوہ وہ سب کچھ تھے۔ نثر نگار، انشاء پرداز، شاعر و ادیب، واعظ وخطیب اور انگریزی زبان وادب کے اچھے واقف کار۔ ان سب کے باوصف نسبی وجاہت، ان کے نثری وشعری فن پارے ہندو پاک کے معیاری اخبار ورسائل میں چھپا کرتے تھے۔ انھیں خوبیوں کی بنیاد پر اساتذہ وطلبہ دونوں میں آپ عقیدت واحترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ راقم الحروف کے ساتھ ان کی بڑی شفقتیں تھیں۔ جب بھی دیکھتے قریب بلاتے اور سر پہ ہاتھ رکھ کر ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے۔ ان کی بے لوث شفقتیں اور پُرخلوص دعائیں آج بھی میرے ساتھ ہیں اور ان کی عقیدت واحترام کا چراغ آج بھی میرے طاقِ دل میں اسی طرح روشن ومنور ہے۔

سید اولادِ رسول قدسیؔ جب جامعہ میں داخل ہوئے تو طلبہ میں شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا۔ آپ نے طلبہ کے اندر کے شاعر کو بیدار کرنے میں بڑی محنتیں کیں۔ جامعہ کی وہ تمام تقریبات جو طلبہ کے زیر اثر ہوا کرتی تھیں ان میں آپ کی علمی، معلوماتی اور نکات آفریں تقریر کا ہونا لازمی تھا۔ کئی علمی، فکری اور ثقافتی پروگرام کو آپ نے وجود بخشا۔ سب سے پہلا پروگرام آپ نے حضور مجاہدِ ملت کی یاد میں مشاعرہ اور سیمنار رکھا۔ یہ دونوں تقریبات بڑی کامیاب ہوئیں۔ اس کے بعد کانفرنس وسیمنار، نعتیہ وغزلیہ مشاعری اور اعراسِ بزرگاں کی ایک آندھی سی چل پڑی۔ نعتیہ اور غزلیہ مشاعروں میں کبھی کبھی سو سے زائد شعرا ہوتے اور ان مشاعروں پہ آل انڈیا مشاعروں کا گمان ہونے لگتا۔ سیمنار وغیرہ میں بھی بڑے تحقیقی اور معلوماتی مقالات پڑھے جاتے۔ انھوں نے طلبہ میں شعر وسخن، مقالہ نگاری اور تقریر و خطابت کا شعور بیدار کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ آج جامعہ کے طلبہ جو تحریر وتقریر اور شعر و سخن کے میدان میں اپنے وجود کا احساس دلا رہے ہیں، انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ

جامعہ میں فتویٰ نویسی اور معین المدرسین کے بھی فرائض انجام دیتے تھے۔ان کی خصوصیات و کمالات کا چند اوراق میں احاطہ بہت مشکل ہے۔ان کی شخصیت کا دائرہ بہت پھیل چکا ہے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جہاں بھی رہتے ہیں فکر و آگہی کا چراغ جلائے رہتے ہیں۔ ربِّ کائنات انھیں دین و شریعت کی خوب خوب خدمت کی توفیق بخشے۔آمین

حضرت مولانا محمد عیسیٰ رضوی مصباحی

قلم بچوں کے ہاتھوں میں بھی ہوتے ہیں اور جوان، بوڑھے، مرد و عورت سب بطور ضرورت یا بطور زینت اپنے پاس رکھتے ہیں۔قلم سے نیکیوں کی اشاعت بھی ہوتی ہے اور برائیوں کا پرچار بھی۔قلم امن کا داعی بھی ہوتا ہے اور نفرت کا پیامی بھی۔قلم سے جنگ کا ماحول بھی بنایا جاتا ہے اور جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو قلم کے سہارے ٹھنڈا بھی کیا جاتا ہے۔قلم اہلِ ہنر بھی رکھتے ہیں اور بے ہنر بھی۔لیکن وہ قلم سب سے خوش بخت اور قابلِ صد احترام ہوتا ہے جو نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رقم طرازی کرے اور وہ ذات بھی تقدس کی علامت تصور کی جاتی ہے جو صادق جذبوں کے ساتھ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہنے کے لیے قلم اپنے ہاتھ میں لے۔

رہ کے ان کی ثنا کے گلستان میں ۔۔۔ میرا رنگِ چنیدہ چمکنے لگا
قدسؔی مِرا قلم لکھ کے نعتِ نبی ۔۔۔ بن گیا برگزیدہ چمکنے لگا

حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسؔی کا قلم نعتِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتا ہے۔ان کی شاعری میں جو طہارت و پاکیزگی ہے اس کی مثال عصرِ حاضر میں بمشکل پیش کی جاسکتی ہے۔ربِّ کائنات انھیں ہر طرح سلامت رکھے۔آمین ان کی ذات جماعتِ اہلِ سنّت کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد احسن رضا قادری باتھوی

نعت گوئی کے لیے تقدیسِ فکر و خیال لازمی و ضروری ہے۔اس راہ کے مسافر کے لیے علم، عمل اور عشق کا توشہ سب سے اہم ہے۔بغیر ان چیزوں کے اچھی نعتیں وجود میں نہیں آسکتیں۔اس لیے کہ نعت گوئی کا میدان شعلہ بدوش ہوتا ہے۔تھوڑی سی لغزش رحمتِ الٰہی سے دوری کا سبب بن جاتی ہے اور عملِ خیر کی ساری پونجی لمحوں میں خاکستر ہو جاتی ہے، اور شاعر کو اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔اسی لیے ایک عاشقِ صادق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

نے نعت گو شعرا کے لیے اپنا پیغام یوں نشر کیا ہے ؎

رہبر کی رہِ نعت میں گر ہو حاجت نقشِ قدم حضرتِ حسّان بہت ہے
کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسّانِ عرب

نعت محبت کے محفوظ جذبات کا پاکیزہ اظہار و اعلان ہے۔ نعت حریمِ جاناں میں اذانِ شوق ہے۔ نعت لیلائے عشق کی پیشانی پر نجات کی تابندہ قندیل ہے۔ نعت عاشقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وظیفۂ حیات ہے۔ نعت محبت کے تپتے صحرا میں بھٹکنے والوں کے لیے شبنمِ رحمت ہے۔ نعت عبادت بھی ہے اور اندازِ غلامی کا سنجیدہ اظہار بھی۔ نعت سنّتِ الٰہی بھی ہے اور قربِ الٰہی کا ذریعہ بھی۔ نعت نگار کے لیے قرآن و احادیث کے علوم و معارف سے آگاہی انتہائی ضروری ہے، اس لیے کہ قرآنِ حکیم و احادیث کریمہ نعتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بوستان میں ان دونوں ماخذ سے الگ ہو کر کوئی نعت گو شاعر قابلِ احترام نہیں ہو سکتا۔ قرآنِ حکیم نے بارگاہِ رسالت کے آداب و انداز بتائے ہیں۔ اسی کی روشنی میں شعرا کو اپنا شعری سفر جاری رکھنا ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کا اندازِ ثنا خوانی دیکھیے ؎

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

ان کی ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ کریں جو نعت گو شعرا کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بیجا سے ہے المنۃ للّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

ہمیں خوشی ہے کہ حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسی کا پورا شعری سرمایہ قرآن و احادیث کی خوشبو میں بسا ہوا ہے۔ ان کا شمار دنیا کے بڑے نعت نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان سے اردو دنیا کو بہت ساری اُمیدیں ہیں۔

حضرت مولانا محبوب گوہر اسلام پوری، ناظم اجلاس

علامہ سید اولادِ رسول قدسی کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے نعتیہ اور نظمیہ ادب میں بیش بہا اضافے کیے ہیں۔ ناقدینِ شعر و سخن نے ان کی شاعری کو سندِ جواز

فراہم کیا ہے۔انھوں نے روایتی شعری لفظیات واصطلاحات سے گریز پائی اختیار کر کے نئ اور سخت زمینوں پر فن کے نت نئے پھول کھلائے ہیں۔اس کے باوجود ماضی کی مستند روایتوں سے ان کا رشتہ کہیں ٹوٹتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔وہ ''لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو'' کے قائل ہیں۔ان کے خمیر میں مذہبی رکھ رکھاؤ شامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام پسند شعرا میں ان کا مقام ومرتبہ خاصا بلند ہے۔مسلکی ومشربی تصلب ان کی ذات پہ حاوی ہے۔ مصلحت کوشی کو قدسی فطرت سے بغاوت کا نام دیتے ہیں۔ان کی اس روش سے ایک مخصوص حلقہ سخت نالاں ہے۔اسی چیز کو بنیاد بنا کر وہ حلقہ ان کی فنی اور لسانی عظمتوں کے اعتراف سے گریز کرتا ہے۔اس حقیقت سے کوئی صاحبِ بصیرت جرأت انکار نہیں کرسکتا کہ ان کے فن کی شفاف چاندنی سے بزمِ شعروادب کی روشنی میں اضافہ ہوا ہے۔ان کے نزدیک شاعری کارِعبادت کا ایک حسین اور پاکیزہ تسلسل ہے۔خود لکھتے ہیں ؎

شاہد ہے اس پہ حضرتِ حسّان کا عمل
نعتوں میں کھوئے رہنا عبادت ہے زندگی

قدسی کا شعری سرمایہ ہر اعتبار سے قبل احترام ہے انہوں نے شعروسخن کی دنیا کو ایک جدا گانہ ڈگر دی ہے رب کائنات انہیں عمر طویلی سے ہمکنار کرے۔آمین

انجینئر سید آصف دسنوی سر پرست ادبی محاذ۔کٹک

حضرت اولادِ رسول قدسی کی متبرک ہستی دینی اور ادبی حلقوں میں یکساں مقبول ہے۔دینی سطح پر ان کی گرانقدر خدمات جس طرح اظہر من الشّمس ہیں شعری وادبی سطح پر بھی اسی طرح ان کی بصیرت وبصارت کے چراغ پوری اردو دنیا کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کررہے ہیں۔شعر وادب میں ان کی ہمہ جہت شخصیت کا اعتراف بیسوں مشاہیرِ ادب کر چکے ہیں۔نظم ونثر دونوں پر یکساں دسترس حاصل ہے اور ہر دو میدان میں ان کی تخلیقی شادابیوں کے روشن نقوش ثبت ہیں۔اردو،فارسی،عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔اردو اور انگریزی میں ان کی تقریباً ۲۰ / ۲۵ رتصنیفات ان کے وسیع مطالعہ اور تبحرِ علمی کا بیّن ثبوت پیش کرتی ہیں۔

سید نفیس دسنوی

اللہ تعالیٰ جس کو نوازتا ہے اس میں بہت سارے ایسے اوصاف و کمالات ودیعت کر دیتا ہے جس سے وہ شخصیت نہ صرف نابغۂ روزگار بلکہ جامع الکمالات بن جاتی ہے۔ ایسی ہی شخصیتوں میں حضرت مولانا اولادِ رسول قدسیؔ کا شمار کیا جاتا ہے۔ موصوف بحیثیت انسان خلیق، ملنسار، محبت و خلوص کا جیتا جاگتا پیکر ہیں اور ان کی دینی و علمی کمالات کی بات کی جائے تو اپنی علمی بصیرت کے ساتھ روحانی قدروں کے حامل بھی نظر آتے ہیں۔ عصری تعلیم کی سطح پر اردو اور انگریزی میں ایم اے کرنے کے بعد دینی تعلیم میں بھی دستارِ فضیلت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔

سید اولاد رسول قدسیؔ کا اسلوب سب سے جداگانہ ہے، خصوصاً نئے نئے اور نادر ترکیبات، استعارات و علائم کا برملا استعمال کر کے اشعار میں گہرائی و گیرائی پیدا کرنے کا ہنر انھیں بخوبی آتا ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محاسن کا اعتراف کرنے والوں میں افتخار امام صدیقی، ڈاکٹر مظفر حسین حالی، کوثر چشتی، پروفیسر کرامت علی کرامتؔ، ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری، حقانی القاسی، ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی، وصیل خاں اور انھیں کے پایہ کی دیگر معتبر شخصیتیں شامل ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان میں اجتہادی فطرت بھی پائی جاتی ہے۔ اس بات کی تصدیق کے لیے ان کی غزلیں، حمدیں اور نعتیں پیش کی جا سکتی ہیں جنھیں مختلف ہیئتوں میں کہنے کا کامیاب تجربہ انھوں نے کیا ہے۔ مثلاً پابند اور آزاد نظم، ہائیکو، ماہیا، تکونی، رباعی، دوہا، مسدس، مخمس جیسی اصناف میں انھوں نے اپنے مجتہدانہ رویہ کی کامیاب مثال پیش کی ہے اس کے علاوہ یک رکنی اور دو رکنی نعتیں بھی کہی ہیں۔ آپ کی نادر تشبیہات، استعارات اور علامت پسندی کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نادر ترکیبات اور پیکر تراشی میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اس کے اعتراف میں ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ فرماتے ہیں: ''قدسیؔ صاحب نے اپنے تجربوں، مشاہدوں اور تخیلات سے جو علامت نگاری اور پیکر تراشی کی ہے وہ بھی خوب سے خوب تر اور لطیف سے لطیف تر ہے۔ اظہار و ترسیل اس قدر کامیاب اور شگفتہ ہے کہ اس سے شاعر کی ذہنیت، عقلیت اور اس کی نفسیات نیز اسی فضا اور ماحول کی عکاسی ہوتی ہے۔''

مجموعی طور پر حضرت قدسیؔ ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں جو بحیثیت ایک جید عالم دین، مبلغ، مقرر

'شاعر وادیب عالمی سطح پر پہچانے جاتے ہیں۔ اس شمارے کو ایسی متبرک ہستی کے نام منسوب کر کے ادارۂ ادبی محاذ خود کو سعادت مند تصور کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ تا دیر ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر مجلہ دبستان نعمت، خلیل آباد سنت کبیر نگر۔ یوپی

میری اپنی فہم وفراست میں کوئی بھی تخلیق مقبولیتِ عامہ کا درجہ اس وقت تک نہیں حاصل کر سکتی جب تک کہ اس میں فکر وفن کے لحاظ سے کچھ نیا پن نہ ہو۔ اس لیے کہ کل جدید لذیذ نئی چیز ہی قلب وروح کی طمانیت کا ساماں ہوا کرتی ہے اور اگر نئی چیز ہے اور اس میں طمانیت قلب و روح نہیں تو یقیناً اس کو پڑھ کر طبیعت مکدر ہو جائے گی۔ چنانچہ ہر تخلیق کار اپنی تخلیق میں فکر وفن کا مظاہرہ کر کے کچھ نیا پن پیش کرنے کی حتمی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے وہ اپنی سکت بھر کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتا۔

علامہ اولادِ رسول قدسیؔ صاحب کو بالاستیعاب پڑھنے کا اتفاق تو مجھے نہیں ہوا مگر میں نے اب تک جو پڑھا ہے اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے یہاں فکر وفن کی جدت اور شعور کی جو بالیدگی ہے وہ نہایت ہی پختہ اور ماہرِ فن کی حد تک ہے۔ ان کی شاعری میں فکر وفن کا جو نیا پن اور جولانیت ہے وہ ایک دنیا پر محیط ہے۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کو ایک نئی فکر، نیا فلسفہ اور ایک نیا نقطۂ نظر دینے کی کوشش کرتے ہیں جیسے وہ فرماتے ہیں ؎

بے رخی کی نظر سے ملا کر نظر۔ ہوگئی میری طرزِ وفا باغ باغ
تھی نظر جس کی چاہت کے زیرِ نگیں۔ کیسے کرتی نہ اس کی ادا باغ باغ

علامہ قدسیؔ کے اس مصرع ''تھی نظر جس کی چاہت کے زیرِ نگیں'' میں جو فکر جلوہ بار ہے وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے درج ذیل اشعار سے مستعار ہے ؎

عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں۔ اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

علامہ قدسیؔ نے نعت کی فکر کو غزل کا جو روپ دیا ہے وہ ایک نیا رنگ وآہنگ لیے ہوئے ہے جو اپنے آپ میں بے مثل وبے مثال ہے۔ آج تک تو ہم پڑھتے چلے آئے ہیں کہ فلاں نعت گو شاعر نے غزل کے رنگ وآہنگ میں نعت کہی ہے مگر ہم نے یہ کہیں نہیں پڑھا کہ فلاں شاعر

نے نعت کے اسلوب یا رنگ میں غزل کہی ہے جس سے غزل کا دامن منزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ نعت کے رنگ میں غزل کہنے کی انفرادیت کا شرف علامہ قدسیؔ کو حاصل ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

رئیس الدین رئیس، علی گڑھ

سید اولادِ رسول قدسیؔ اپنے شعروں کے Texture میں روایتی الفاظ سے گریز کرتے ہیں۔ برہنہ الفاظ سے ترتیب دی گئی Statement کی شاعری کے برعکس وہ اصطلاحات و علامات' ایمانیت و اشاریت' رمزیت و کنائیت اور پیکر تراشی جیسے اہم لوازمات سے ترتیب و تشکیل پانے والی شاعری کو ہی قابل اعتنا سمجھتے ہیں۔ ان کے اشعار میں مستعمل الفاظ اپنے لغوی معنی تیاگ کر معانی و مفاہیم کے نئے نئے جہانوں میں ڈھل جاتے ہیں۔ ان کے لفظی دروبست میں پرت در پرت اور تہہ در تہہ فکر و معنی کے جہانِ طلسمات جب قاری کو اپنے وجود سے باہر کرتے ہیں تو وہ سیراب و شاداب کر دینے والے مناظر اور کیف و سرور میں مبتلا کر دینے والی نظارگی سے مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ مگر معنی تک رسائی ہونے والی استعاراتی شاعری برہنہ الفاظ کی شاعری کی طرح آسان نہیں ہے۔ قاری کو قدسیؔ کے اشعار سے افہام و تفہیم کا رشتہ استوار کرنے کے لیے استعاراتی الفاظ کی گرہ کھولنے کے لیے غور و خوض درکار ہوتا ہے تبھی ان کی شاعری سے لطف اندوزی ممکن ہو سکتی ہے۔ ان کی شاعری مشکل شاعری تو ہے مگر معنی و مفہوم ان کی شاعری میں کسی بحرِ ذخار میں زیریں لہروں کی طرح رواں دواں نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے ؎

بازار میں بے نمک پھلوں کا　　　بڑھتا ہوا بھاؤ دیکھتا ہوں

یہاں بازار اور بے نمک پھل ہی وہ جھروکے ہیں جن میں جھانکنے کے بعد ہی شعر کے اندر آباد معنی کی دنیا تک رسائی اور نظارگی ممکن ہو سکتی ہے۔ غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ بے نمک پھل کا مطلب یہاں خود غرضی اور مردہ ضمیری ہے اور بازار ہماری دنیا اور معاشرہ ہے۔ لہٰذا واضح ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ قدروں سے عاری ہمارے معاشرے میں جھوٹ اور برائیوں کو سچائی اور نیکیوں پر تفوق حاصل ہے جو یقیناً افسوس ناک ہے۔ اس مندرجہ بالا مثال کے بعد اسی رنگ و آہنگ کے ان کے چند اور بھی اشعار یہاں نقل کرتا ہوں تاکہ قارئین خود بھی ذیل کے اشعار کو سمجھنے کی کوشش کر سکیں۔

وہ تو چھاؤں کے

میٹھے پھلوں میں رہا	اور مجھے دھوپ کی املیاں دے گیا
اس کی گفتار کی حلاوت سے	بھر گیا زخم میں نمک تازہ
تیرا پیاسا ضمیر تر ہوگا	میری سوکھی ہوئی زباں لے جا

منظوم تاثر

انجینئر سید آصف دسنوی سرپرست ادبی محاذ۔کٹک

دینِ متیں کے راہ نما قدسیؔ ہیں جناب
شعر و سخن میں سب سے جدا قدسیؔ ہیں جناب
قرآن اور حدیث کے روشن بیان سے
دکھلانے منزلوں کا پتہ قدسیؔ ہیں جناب
وہ حوصلہ جگاتے ہیں اپنے کلام سے
آندھی میں جیسے جلتا دیا قدسیؔ ہیں جناب
اقلیمِ علم و فن میں اجالا انھیں سے ہے
قدرت کی بے مثال عطا قدسیؔ ہیں جناب
کہتے ہیں جب غزل تو ہر اک لفظ لفظ میں
بے مثل آئینے کی ادا قدسیؔ ہیں جناب
لفظوں میں اپنے دل کی طہارت سمیٹ کر
مصروفِ مصطفیٰ کی ثنا قدسیؔ ہیں جناب

سید نور الٰہی ناطقؔ مدیر معاون ادبی محاذ

شریعت اور عقیدت کے علم بردار ہیں قدسیؔ
ادب کے ملک میں گویا درشہوار ہیں قدسیؔ
اشاعت دین کی کرتے ہیں وہ بے حد سلیقے سے
اندھیروں کے نگر میں نور کا مینار ہیں قدسیؔ
ہے نعتِ پاک ان کے جذبِ دل کا آئینہ بے شک
ثنائے مصطفیٰ میں حسن کا معیار ہیں قدسیؔ
ہمیشہ فکر رہتی ہے انھیں اصلاحِ ملت کی
یہ سچ ہے قصرِ ملت کے بھی اک معمار ہیں قدسیؔ
اُدھر راہِ شریعت میں بھی ان کی رہنمائی ہے
اِدھر ملکِ ادب کے قافلہ سالار ہیں قدسیؔ
قلم سے ان کے ناطقؔ لفظ ڈھلتے ہیں گہر بن کر
انوکھی انفرادی شان کے فنکار ہیں قدسی

مولانا رفیق وارث

مرحبا صد مرحبا اے منبعِ علمی وقار
گلشنِ شعر و سخن کی تو حسیں تازہ نکھار
وسعتِ شعر و ادب کے بحرِ ناپیدا کنار
آبروئے قوم و ملت ہوگئی تجھ پر نثار

زینتِ اردو ہے تیرا نعتیہ رنگِ سخن
رہتی دنیا تک رہے گا تیرا دیوانہ زمن

اے امیر شعر و حکمت لمعۂ تقدیر تو واصفِ شاہِ امم میں صدق کی تحریر تو
وارثِ علمِ علی اورنور کی تفسیرتو اور مدحِ پنجتن کے چرخ کی تنویر تو

تیرے حسنِ فکر کی پھیلی ہے ایسی روشنی
جس سے پژ مردہ چمن میں آگئی ہے تازگی

خالقِ عالم نے نکتہ آفرینی کی عطا جذبۂ حبِ نبی نے نغمہ باری کی عطا
نعت کے پیرائے میں مہرِ غلامی کی عطا دین فہمی، خود شناسی، جاں نثاری کی عطا

آبرو ہے تیری ہستی علم کے ایوان کی
لوگ مانیں یا نہ مانیں ہم نے آخر مان لی

قدسؔی تیری فکر پرابھرا ہے جب کوئی سوال دے دیا اردو ادب کوتو نے وہ رنگِ جمال
گمشدہ الفاظ پائے منزلِ راہِ کمال جس کی عالم میں نہیں ملتی ہے کوئی بھی مثال

جو حقائق تھے ابھی مخفی خطِ تقدیر میں
کردیا ان کو منور دلربا تحریر میں

تیرے رنگِ فکر میں ویرانی آسکتی نہیں محفلِ اردو ادب تجھ کو بھلاسکتی نہیں
کوئی بجلی تیرے خرمن کو جلا سکتی نہیں تو انوکھا، تیری چاہت کو مٹا سکتی نہیں

منفرد رکھتا ہے تو اردو ادب میں اپنا نام
التجا وارثؔ کی ہے اونچا رہے تیرا مقام

مولانا محبوب گوہرؔ، اسلام پوری

قبلۂ بزمِ سخن ہیں سیداولادِرسول
ماہرِ ہر فکر وفن ہیں سید اولادِ رسول

ایک مدت سے ادب کے آسماں پہ بالیقیں
مہر بن کرضوفگن ہیں سیداولادِرسول

جس سے روشن ہے شعوروآگہی کی کائنات
وہ چراغِ انجمن ہیں سیداولادِرسول

مل گیا ہے عشق کا تمغہ انہیں حسان سے

واصفِ شاہِ زمن ہیں سید اولادِ رسول
جسم فکر و فن کو لفظوں کا نیا درپن دیا
شاعری کا بانکپن ہیں سید اولادِ رسول
دشمنِ احمد رضا کو کر دیا زیر و زبر
شیرِ حق، باطل شکن ہیں سید اولادِ رسول
ان کے رنگِ شاعری سے ہوتا ہے احساس یہ
عکسِ استاذِ زمن ہیں سید اولادِ رسول
کاٹ دیتے ہیں قلم کی دھار سے فتنوں کا سر
دافعِ شر و فتن ہیں سید اولادِ رسول
چاندنی افکار کی پھیلی ہے ان کی ہر طرف
زینتِ ہر انجمن ہیں سید اولادِ رسول
ہوگئیں روشن ہمارے ذہن و دل کی وادیاں
نور کی تازہ کرن ہیں سید اولادِ رسول
مسلکِ احمد رضا کی جلوہ ریزی کے لئے
رہتے مشغولِ جتن ہیں سید اولادِ رسول
ان کے شعروں سے معطر ہے مشامِ سنیت
نازشِ اہلِ سنن ہیں سید اولادِ رسول
مشغلہ دن رات ان کا ہے فروغِ رضویات
اعلیٰ حضرت کا مشن ہیں سید اولادِ رسول
سیرتِ سرکار پر لکھ کر انوکھی اک کتاب
دیکھئے کتنے مگن ہیں سید اولادِ رسول
پڑھتے ہی ہو جاتی ہے روشن دلوں کی کائنات
ایک ایسا آرگن ہیں سید اولادِ رسول

پھول کھلتے ہیں یہاں ہر روز نظم و نشر کے
گویا اک علمی چمن ہیں سید اولادِ رسول
محفلِ وعظ و نصیحت ہو کہ بزمِ علم و فن
ہر جگہ جلوہ فگن ہیں سید اولادِ رسول
مفتیِ اعظم اڑیسہ جن کو کہتے ہیں سبھی
بس انہیں کے من و عن ہیں سید اولادِ رسول
گوہرؔ ان کی فکر کی خوشبو ہے پھیلی چار سو
یوں گلِ باغِ حسن ہیں سید اولادِ رسول

قدسی کے منتخب اشعار

دوہا حمد

دل میں اس کا خوف ہو، رحمت سے امید
راضی ہم سے وہ رہے ، بس ہو یہ مقصود

گرچہ اس کی ذات ہے، جسم وجاں سے پاک
اس کا جلوہ ہے مگر ، ہر شئے میں موجود

جو رب کے محبوب سے ، دل میں رکھے بغض
بے سود اس کا ہر عمل، ایماں ہے مفقود

مجھے اپنا ذاکر بنا میرے اللہ
میسر ہو تیری رضا میرے اللہ

میں اپنے کیے پر ہوں شرمندہ بے حد
مٹا سارے جرم و خطا میرے اللہ

بنے میرا سینہ منور مدینہ
ہو عشقِ محمد عطا میرے اللہ

دعا ہے ہماری نمازوں میں پیہم
ہمیں سیدھا رستہ چلا میرے اللہ

میری زیست کی شمع ایماں پہ گل ہو
ہے قدسیؔ کی بس یہ دعا میرے اللہ

———

دوہا نعت

یادوں سے سرکار کی، جو دل ہے آباد
رب کے وہ فیضان سے، ہر لمحہ ہے شاد

ان کی ذاتِ پاک سے، جس نے رکھا بیر
اس کا سب کچھ ہوگیا، پل بھر میں برباد

بیٹھے ہو مغموم کیوں، میری مانو یار
غم ہو جائے گا غلط کرلو ان کو یاد

جن و انساں کی فقط قدسیؔ کیا تخصیص
آقا ہر مخلوق کی، سنتے ہیں فریاد

ایمان و اسلام سے ، خارج ہے وہ شخص
کی جس نے سرکار کی ، ادنیٰ سی توہین

ان کا کیجئے شوق سے ، لمحہ لمحہ ذکر
یادیں ان کی روح کی، ہیں وجہ تزئین

جو ان کے ناموس پر ، دیدے اپنی جان
حوریں اس کی خلد میں ، کرتی ہیں تحسین

خیر و شر کی ہو چکی ، تشریح و توضیح
ہم کو راہِ راست کی ، کرنی ہے تعیین

حبِّ شاہِ دوجہاں، ہے اصلِ ایمان
کل ہے یہ حق ہے یہی، ناطق ہے قرآن

لب پر گر اخلاص سے، آئے ان کا نام
پل بھر میں ہوجائے پھر، ہر مشکل آسان

ان کے در پر ہے کھڑی، ساری کائنات
ان کا یوں صبح و مسا، بٹتا ہے فیضان

اس کو رب کی معرفت ،ہوگی اپنے آپ
حاصل ہوجائے جسے،خود اپنا عرفان

دورِ رفتہ

تھا اُجالا ہی اُجالا، کیا سہانا دور تھا
جلوہ گر تھے شاہِ والا، کیا سہانا دور تھا

روز ہوتی تھی صحابہ کو زیارت شاہ کی
کتنا روشن تھا نصیبہ، کیا سہانا دور تھا

آہ بھرتی تھی ضلالت، کانپتے تھے کفر و شرک
رعبِ دینِ حق تھا چھایا، کیا سہانا دور تھا

ان کے ارشادات کی ، خوشبو تھی پھیلی اس طرح
ہر بشر تھا مہکا مہکا، کیا سہانا دور تھا

یوں فروزاں شمعِ عشقِ مصطفیٰ تھی چار سو
قلبِ انساں تھا مدینہ، کیا سہانا دور تھا

خود نبی دے دیں غلامی کی سند قدسیؔ ہمیں
وصف ہو یوں آشکارا، کیا سہانا دور تھا

دھوپ ان کے خُلق کی پھیلی عجب
چھٹ گئیں جور و جفا کی بدلیاں

جشن میلاد النبی کے شور سے
گر رہی ہیں دشمنوں پہ بجلیاں

ان کے ارشادات کے اثرات سے

خیر و خوبی کو ملیں آزادیاں

بزمِ گستاخ نبی میں شرکتیں
ہیں سرا سر وقت کی بربادیاں

جو گیا حدِّ شریعت سے نکل
دوجہاں میں اس کی ہیں رسوائیاں

چھاگئے وہ نور بن کے قلب میں
ہجر نے لیں جب کبھی انگڑائیاں

دور ہوجاتی ہیں ان کے نام سے
جسم کی اور روح کی بیماریاں

لب پہ آتے ہی نبی کا اسمِ پاک
ہوگئیں بنجر دکھوں کی وادیاں

بے عمل مومن کی ہے ایسی مثال
تیر ہے ناپید لیکن ہے کماں

دیکھ کر طیبہ کا حسنِ بے مثال
رشک کا پیکر ہے گلزارِ جناں

گونجتی ہو، ان کی نعتوں کی صدا
جب نکلتی ہو ہمارے تن سے جاں

میرے سر ان کی غلامی کا ہے تاج
دیکھنا محشر میں میری عز و شاں

آ گیا غم کا کلیجہ مونھ کو
چھڑ گئی جب کربلا کی داستاں

کیوں کہیں پھیلائیں ہم دستِ طلب
جب ہیں آقا مونسِ بے چارگاں

تم ادب سے کرکے نعتوں کو جدا
مت کرو یوں فن کی دل آزاریاں

ان کا دستِ فیض تھا سر پر میرے
کیسے حائل ہو تیں تشنہ کامیاں

کرکے پیدا خود عقیدے میں لچک
کہتا ہے نادان ہیں مجبوریاں

اہلسنّت خود کو اب کہنے لگے
بد عقیدوں کی ہیں یہ چالاکیاں

وہ توسل کا ہے منکر جس کی خود
ہیں سہارا دہر میں بیساکھیاں

دیکھنے سے جن کو یاد آئے خدا
اب کہاں ملتی ہیں ایسی ہستیاں

تھام لے گرتوں کو جو گرنے سے قبل
کون ہے ان سا انیسِ بیکساں

ان کی گلیوں کی چمک کے سامنے
ہیچ ہیں دنیا کی سب رعنائیاں

نعت گوئی کا ہے قدسیؔ یہ ثمر
میری سوچوں کو ملیں گہرائیاں

ذرّے ذرّے کے لیے بن کے وہ آئے رحمت
کون ہے جس پہ شہِ دین کا احسان نہیں

آج بھی وقت ہے بن جا تو نبی کا شیدا
پھر نہ کہنا کہ میں کیوں صاحبِ ایمان نہیں

سامنا ہوگا ندامت کا اسے محشر میں
جو گناہوں پہ یہاں دل سے پشیمان نہیں

ہے یہ اعجاز شہیدِ رہِ حق کا قدسیؔ
جان باقی نہ رہی، پھر بھی وہ بے جان نہیں

اُن کے در سے بتاؤ کیا نہ ملا
جو نہ تم کو ملا وہ نا نہ ملا

ہو کے مربوط ان کے دامن سے

یہ نہ کہنا مجھے خدا نہ ملا

جو چلا ان کی راہ سے کٹ کر
زیست میں اس کو ارتقا نہ ملا

ان کی رحمت بھری زباں کے سوا
اور کہیں بھی انا لھا نہ ملا

ہے میرے ہاتھوں میں اُن کا دامن، مِرا مقدر ہے مہکا مہکا
کھلے ہیں لب پر گلِ تشکر، کرم کا منظر ہے مہکا مہکا

نصیبہ کعبے کا جاگ اُٹھا، قمر نبوت کا جوں ہی چمکا
ہے یہ نبی کے قدم کا جلوہ، حرم کا پتھر ہے مہکا مہکا

حسین لفظوں کی یہ سجاوٹ، سخن کے پھولوں کی یہ طراوٹ
طفیلِ نعتِ رسولِ اکرم، یہ فن کا گوہر ہے مہکا مہکا

نثار اس پر بہارِ جنت، ہے اس کا بے شک مقام برتر
وہ اہلِ ایماں جہاں میں جس کے، عمل کا ساگر ہے مہکا مہکا

بس ایک آرزو ہے میرا طائرِ سخن
آقا کی مدح میں سدا محوِ سفر ملے

ایسے بھی آئیں زیست میں لمحاتِ پُرضیا
یادوں میں ان کی آنکھ مری تر بتر ملے

ان کی عنایتوں کی ہوئیں خوب بارشیں
جب راہِ زیست میں مری غم کا شرر ملے

مجھ کو طلب کیا ہے رسولِ انام نے
قدسیؔ درِ حضور سے ایسی خبر ملے

یوں نعت گوئی بن گئی، سوچوں کی ہم سفر
بامِ عروج پر، مرا ادراک ہوگیا

یوں رنگ لایا جذبۂ عشقِ رسولِ حق
زخمِ شہید خلد کا، پوشاک ہوگیا

بادِ سموم ایسی چلی، ہے نفاق کی
تبلیغ کا مشن بھی، خطرناک ہوگیا

سیلابِ درد و غم میں، لیے نامِ مصطفیٰ
قدسیؔ میں بحرِ فیض کا، تیراک ہوگیا

بہارِ خلدِ بریں اب مری پناہ میں ہے
درِ نبی کا حسیں تر سماں نگاہ میں ہے

بلال و یاسر و عمّار سے یہ پوچھے کوئی
یہ کیسا کیف کا عالم نبی کی چاہ میں ہے

مثال اس کی نہ مل پائے گی قیامت تک

جو حوصلہ شہِ کونین کی سپاہ میں ہے

شہِ زمن کی گدائی میں جو سکوں ہے نہاں
سکون ایسا کہاں قدسیؔ بختِ شاہ میں ہے

ان کی رحمت کی آئی ہوا باغ باغ
ہوگئی میرے دل کی فضا باغ باغ

حشر کی دھوپ میں ہم گنہ گار کو
کر گئی ان کی نوری رِدا باغ باغ

جانے طیبہ سے لائی ہے پیغام کیا
آج لگتی ہے بے حد صبا باغ باغ

آہ بھرنے لگا ریگزارِ الم
کر گیا ان کا بحرِ عطا باغ باغ

شر کے اڑنے لگے قدسیؔ ہوش و حواس
خیر کی ایسی پھیلی ضیا باغ باغ

دردِ عشقِ نبی جس پہ طاری نہیں
اس نے تقدیر اپنی سنواری نہیں

کیا پتہ اس کو جنت کی آب و ہوا
زیست طیبہ میں جس نے گذاری نہیں

ہے محبت پہ ان کی مدارِ نجات
کون کہتا ہے یہ قولِ باری نہیں

اب غلاموں کی سرکار لیجئے خبر
بے سبب لب پہ یہ آہ و زاری نہیں

درِ نبی کا سماں دل پذیر ہے کہ نہیں
یہ رشکِ باغِ جناں دل پذیر ہے کہ نہیں

ہراک سمت جمالِ نبی ہے جلوہ فگن
مدینہ دارِ اماں دل پذیر ہے کہ نہیں

تڑپ کے عشقِ نبی میں بتا گئے یہ اویس
صدائے دردِ نہاں دل پذیر ہے کہ نہیں

مری رضا ہے رضائے حبیب میں پنہاں
یہ قولِ ربِ جہاں دل پذیر ہے کہ نہیں

بوقتِ نزع کریں گے وہ جلوہ سامانی
مرا یہ حسنِ گماں دل پذیر ہے کہ نہیں

کیا سروکار تشنہ کامی سے
شاد ہیں ان کی ہم غلامی سے

راہ بران کا نقشِ پا ہے مرا

کون روکے گا تیز گامی سے

نعت گوئی میں باادب ہشیار
آئی آواز قبرِ جامی سے

دل کی آنکھوں کو مل گئی ٹھنڈک
خاکِ در سرمۂ دوامی سے

جو ملا ان کے دم قدم سے ملا
رب ملا ا ن کے ہی کرم سے ملا

ہوں بیاں کیسے لذتیں اس کی
کیف جو ان کے دردو غم سے ملا

جان جائے مگر نہ جائے وقار
درس یہ دین کے علم سے ملا

رحمتیں ٹوٹ کر برسنے لگیں
قدسیؔ یہ ثمرہ چشمِ نم سے ملا

آؤ کرتے ہیں کام کی باتیں
یعنی خیرالانام کی باتیں

ہیں وہ اول بھی اور آخر بھی
ہیں یہ رب کے کلام کی باتیں

اس میں ہر درد کی دوا ہے نہاں
کیا کریں ان کے نام کی باتیں

قدسیؔ بھرتی ہیں نور ایماں میں
ان کے اعلیٰ مقام کی باتیں

ان کی یادوں میں مجھ کو کھونے دو
چشمِ دل اشک سے بھگونے دو

جو لقب چاہو بعد میں دینا
پہلے ان کا غلام ہونے دو

ان کی جالی پہ رکھ کے سر اپنا
ظالمو ایک بار رونے دو

گم ہوں میں ان کے در کے جلوؤں میں
نور کے سائباں میں سونے دو

قدسیؔ کے اصلاحی اشعار

(فکرِ مسلسل سے)

بابِ اصلاح اس انساں کے لیے ہے مسدود
جس کی سوچوں میں ازل سے ہے شقاوت آباد
جو نہ رکھتا ہو شریعت کے تقاضوں کا بھرم
غیر ممکن ہے کہ اس میں ہو طریقت آباد

ہو میسر ہمیں سرمایۂ تسلیم و رضا
ہم میں ہو جائے اگر ذوقِ عبادت آباد

جو اس کے احکام کی، کرتا ہے تعمیل
دونوں عالم میں ہے وہ ، محبوب و مسعود

حق کے باغی کا ہوا، قدسیؔ ایسا حشر
پل بھر میں وہ بن گیا، شیطانِ مردود

گناہوں کی ظلمت چھٹے میرے دل سے
یوں پھیلے عمل کی ضیا میرے اللہ
فریب و دغا ، کذب و غیبت سے رکھ دور
یوں بھر دے تو رنگِ صفا میرے اللہ
فکرِ دیں سے جو ہو یکسر ماورا
ہیں عبث اس ذہن کی جولانیاں
حق کی خاطر ڈٹ گیا جو بے خطر
اس کو دیتے ہیں ملک شاباشیاں
کھلتے ہیں باغِ عمل میں اس کے پھول
جذبۂ دینی ہے جس کا باغباں
جو فنا ہوتا ہے ان کے عشق میں
اس کو ملتی ہے حیاتِ جاوداں

ہر جگہ اہلِ ایمان غالب رہے

فتحِ جاں اور اس کے یہ قالب رہے
شرع کی روشنی میں جو چلتا رہا
اس کے اقدام سارے مناسب رہے

جو گیا حدِّ شرع سے باہر
اس کو ہر گام پست ہونا ہے
اس کو لازم ہے پیروی ان کی
جس کو خالق پرست ہونا ہے

جذبۂ حسنِ عمل ہوگا کبھی تو پیدا
ان کے ارشاد سے سوتوں کو جگاتے رہیے

خوف ہو خالقِ کونین کا لاحق دل میں
طولِ امید سے جان اپنی چھڑاتے رہیے
دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے
بات جو حق ہے سرِ عام سناتے رہیے
کھلتا جائے گا یقینا درِ خیرو برکت
محفلِ ذکرِ نبی گھر میں سجاتے رہیے

زیست کی صبح و مسا کیسے گذاری جائے
ہے جو مسنون طریقہ وہ بتاتے رہیے

بیج اعمالِ خیر وخوبی کا

کشتِ ایماں میں مجھ کو بونے دو

ہر طرف نورِ خیر پھیلا کر
شر کی آلائشوں کو دھونے دو

کرکے ان کی اطاعتیں قدسیؔ
رب کی خوشنودیاں سمونے دو

(لوحِ محفوظ سے)

جس نے ہر گام پر مات دی نفس کو
وہ صفاتِ ملائک کا حامل ہوا

ان کی پیروی کا ہے کمال
بادِ خیر ہم سفر ہوئی
ان کے در سے جو ہوا جدا
راہ اس کی پُر خطر ہوئی
نالاں ہے مسلمان کے کردار سے اسلام
اک تلخ حقیقت ہے یہ افواہ کہاں ہے
ناموسِ نبی کے لیے اب بھی یہ مسلماں
مر مٹنے کو تیار ہے روباہ کہاں ہے

اس دورِ پُر فتن میں جو حق پر ڈٹا رہا
ذی شاں ہے اس کی ذات کرامت ہے زندگی
ملحوظ ہو اصولِ شریعت اگر تمہیں

پھر آسمانِ فیض ہے نعمت ہے زندگی

کاش حسنِ عمل کے پھول کھلیں
کہہ سکوں میں بھی گلستاں ہے حیات
لمحۂ فکریہ ہے میرے لیے
کیوں بھری دھوپ میں نہاں ہے حیات

سرنگوں ہوتا ہوا دیکھ کے حق کا پرچم
تھک کے بیٹھے رہیں مردانِ خدا ناممکن
حق و باطل میں یونہی جنگ رہے گی جاری
ختم ہو حادثۂ کرب و بلا ناممکن
ہوکے یکجا کریں یلغار ہزاروں اغیار
قدسیؔ بجھ جائے شریعت کا دیا ناممکن

تو ڈھال زندگی کو نشانِ حسین پر
اک بحرِ درس واقعۂ کربلا میں ہے

ہم شرعِ مصطفیٰ کے ضوابط کی تیغ سے
جملہ مفاسدات کے سر کو قلم کریں
غیروں کی الفتوں کو پسِ پشت ڈال کر
اونچا دلوں میں عشقِ نبی کا علم کریں

لرزجائے ایوانِ دل خوفِ رب سے
قیامت کے آثار کا تذکرہ ہو
دلوں میں ہو پیدا شہادت کا جذبہ
مجاہد کے کردار کا تذکرہ ہو

———

قومِ مسلم پہ ہے قرآں کا حصار
اس کا اک فرد بھی آزاد نہیں
ان کے شیدا کے لیے دنیا میں
پُر خطر کفر کا مرصاد نہیں

———

وہ خسارے کی زد میں رہا روزِ محشر
بوجھ سوئے عمل کا جو ڈھوتا گیا
جو ہٹا ان کی راہِ ضیا بار سے
ایسے انسان کا بخت سوتا گیا
شرم ساری ملی اس کو ہر گام پر
وقت قدسیؔ جو بے سود کھوتا گیا
جو ہو پُرسکوں نیند کی وجہِ کامل
لحد کے لیے ایسا اک ہم سفر ڈھونڈ
ہیں بے سود دنیا کے سب رنگ و روغن
جو چمکا دے ایمان کو وہ قمر ڈھونڈ
اگیں تیرے اندر ضیاؤں کی فصلیں
فلک پر نہ قدسیؔ تو کشت سحر ڈھونڈ

———

جو شریعت کے سانچے میں ڈھلتا رہا
اس کی خاطر گناہوں کا اجگر ہے ہیچ

دیکھنا گر ہے تجھے روئے جناں
آئینہ عشقِ محمد کا نہ توڑ
خیر کے بحر میں ہو غوطہ زن
شر کے پتھر پہ نہ سر اپنا پھوڑ
ان کی سنت پہ عمل پیرا ہو
خواہش نفس کی گردن تُو مروڑ
ہے یہی رب کی رضا کا باعث
ان کے احکام سے تُو منہ کو نہ موڑ

قدسی کے تردیدی اشعار

(لوحِ محفوظ سے)

وہ سقر کی آگ میں جلا
حق سے جس میں بھی خلش ملی

جو مسلکِ رضا سے رکھے بیر قلب میں
اس شخص سے شدید ہمیں اختلاف ہے
گستاخ و بے ادب رہے جو بارگاہ میں
وہ ارتدادِ کفر کا اک کوہِ قاف ہے

جب ان کے علمِ غیب کی تلوار چل پڑی
حربہ منافقین کا ناکام ہوگیا
سن کر صدائے عشق درود و سلام کی
ایوانِ دیوبند میں کہرام ہوگیا

ہم نے ان پہ جب پڑھا سلام
نجد تار تار ہوگیا
ان کے خلق کا ہر ایک تیر
شر کے آر پار ہوگیا

ان سے محفوظ رب ہمیں رکھے
مثلِ ابلیس جن کا ڈھنگ ملا

ان کے بغیر ایک بھی سجدہ نہیں قبول
جان صلاۃ عشقِ حبیب ِ خدا میں ہے

لب پر لیے ہم برقِ تپاں حرفِ ندا کی
ہر بار مخالف پہ سدا وار کریں گے
سنگِ درِ جاناں پہ سرِ ناز جھکانا
گر جرم ہے ہم جرم یہ سو بار کریں گے

ہے ڈوبا ہوا شرک میں خود وہابی

چلا ڈالنے ہم پہ الزام دیکھو
سلاموں کی کلیاں کھلیں باغ فن پر
بپا قلبِ نجدی میں کہرام دیکھو

کیوں پکاروں نہ میں اسے آخر
جب مصیبت میں وہ رفیق ملا
راہِ اسلم سے جو ہٹا قدسیؔ
وہ فسادات کا فریق ملا
ان کا گستاخ بد انجام ملا
ان کے مداح کی قسمت ظاہر
ان کی توصیف سے جو شخص مڑا
اس پہ ربّ کی ہوئی لعنت ظاہر
حلق سے جس کے نہ اُترے قرآں
ایسے عالم کی جہالت ظاہر
لاکھ کھائیں وہ صفائی کی قسم
ان سے نجدی کی عداوت ظاہر
ان کے مخلص کو ملی ربّ کی رضا
اور منافق کی شقاوت ظاہر

دانستہ حقائق سے جو رہتا ہے بہت دور
کج فہم اس انسان کا عیار ہے احساس

حشر میں ہوگی ندامت اس کو

ان کے اعدا سے جو مخلوط ہوا
جس نے کی ان کے عدو سے نفرت
اس کا ایماں بڑا مضبوط ہوا

ان کے ناموس پہ کرتا رہا نجدی حملہ
رہتے خاموش بھلا کیسے رضا ناممکن
لاکھ دقاق زمانے میں ہوں پیدا پھر بھی
پُر ہو عالم میں رضا کا یہ خلا ناممکن
جس نے کی گستاخیِ شاہِ زمن
نور سے ٹکرا کے وہ ناری ہوا
ان کے شیدا ان پہ قرباں ہوگئے
دہن گستاخوں کا تا تاری ہوا

منزل پہ ارتقا کی رہے مخلصین سب
پسپا منافقین ہوئے خود نفاق سے

ڈھونڈتا پھر رہا ہے جو نقصِ نبی
وہ ضلالت سے لبریز ملعون ہے
سربلندی ملی حق کو جس خون سے
میری رگ رگ میں قدسیؔ وہی خون ہے

جو منکر ہے تعظیمِ شاہِ زمن کا
بوقت سلام اس کو بے شرم دیکھا

ان سے جس کا دماغ ہے خالی
اس کی ہر فکر مثلِ تاش رہی
ان کے دامن سے جو لپٹ نہ سکا
اس کے رخ پر عجب خراش رہی
جس نے کی ان سے دشمنی قدسیؔ
عاقبت اس کی پُر خراش رہی

جس کا شیوہ ہو گستاخیِ شاہِ دیں
اس کا ہر قول بے جا و موہوم ہے
ان کی الفت سے دل جس کا خالی رہے
خیر سے قدسیؔ یکسر وہ محروم ہے

ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم ان کو چھوڑ دیں
ظالم جو چاہیں شوق سے مشقِ ستم کریں
ہم شرعِ مصطفیٰ کے ضوابط کی تیغ سے
جملہ مفاسدات کے سر کو قلم کریں

ہم نے تو جمائی ہے درِ پاک پہ نظریں
کم ظرف ادھر اور اُدھر دیکھ رہے ہیں
گستاخِ شہنشاہِ دوعالم کی جبیں پر
ہم قہرِ خدا برق و شرر دیکھ رہے ہیں

دیوبندی سے بچاؤ ایماں
آستینوں کے بھیانک ہیں یہ سانپ
جھومتے جھومتے ہم خلد چلے
راستہ نار کا نجدی تُو ناپ
مدح آقا کی کیے جا ہر دَم
غیر کا قدسؔی نہ تُو راگ الاپ

زباں سے ہو اظہار اور دل ہو خالی
یہ عشقِ نبی کی نشانی نہیں ہے
نہ معمور ہو ان کی اُلفت سے سینہ
یہ ایمان کی ترجمانی نہیں ہے
وہ عرشِ علیٰ کی خبر دیں زمیں پر
نبی کی یہ کیا غیب دانی نہیں ہے

ہوگی یہ اس کے عقیدے کی شقاوت کی دلیل
ان کی مدحت سے جس انسان کو خارش ہوگی
میٹھی باتوں میں نہ آنا کبھی تبلیغی کی
اس کے ہر پند و نصیحت میں بھی سازش ہوگی

کلمہ لب پہ ہو اور دل میں نفاق
کشتِ ایماں کی تو یہ کھاد نہیں
ہے جو گستاخِ نبی اس کے لیے
ربِّ کونین کی امداد نہیں

پڑھا ہے ہم نے جب سلام
ہوا ہے نجد تار تار
جو ان کے در سے پھر گیا
ہوا ہے وہ مستحقِ نار
کی جس نے ان سے دشمنی
ہے قدسؔی وہ ذلیل و خوار

تو عظمتِ سرکار گھٹا ہی نہیں سکتا
نجدی ترا یہ خواب سدا خواب رہے گا
ہر صفحۂ قرآن و احادیث دکھا دو
نجدی کی زباں پہ فقط انکار رہے گا

تقاضا ہے یہی ایماں کا بد عقیدوں سے
ہمیشہ دور رہو عافیت اسی میں ہے
نہ جاؤ محفلِ گستاخِ مصطفیٰ میں کبھی
نہ ان کی بات سنو عافیت اسی میں ہے
تمام دین فروشوں سے تم الگ ہوکر
نثار حق پہ رہو عافیت اسی میں ہے
رضا کے مسلکِ حق پر رہو سدا قائم
بریلوی ہی رہو عافیت اسی میں ہے
کچل کے آج کی یہ صلح کلیت کا مشن
رضا کی سمت بڑھو عافیت اسی میں ہے
بتاؤ وہ جو ہے ارشادِ سرورِ عالم

حدیث یوں نہ گڑھو عافیت اسی میں ہے

ہے یہ عشقِ شہِ عالم کا تقاضا پیہم
ان کی آمد کا حسیں جشن مناتے رہیے
ہو کے بے خوف و خطر دین کے غداروں سے
سکّہ ایمان کا ہر دل میں بٹھاتے رہیے

موسلا دھار ہو بارانِ کرم
اپنے ہونٹوں کو درودوں سے سجانا ہے ہمیں
کوئی جلتا ہے تو جلتا رہے، جلتا ہی رہے
جشنِ میلادِ نبی جم کے منانا ہے ہمیں

ہم نے شہِ عالم کو کیا ربّ کے مساوی
الزام تھا، الزام ہے، الزام رہے گا
ناپاک مشن میں شہِ کونین کا گستاخ
ناکام تھا، ناکام ہے، ناکام رہے گا

کیسے مل پائے گی اس کو ربّ کی رضا
جس کے لب پر ثنا ان کی کی جاری نہیں
کرنا ہے بے نقاب ان کے گستاخ کو
اس میں حائل کوئی پردہ داری نہیں

ان کے گستاخوں کے چہرے کی مثال

جیسے ماچس کی جلی ہو تیلیاں
وہ توسّل کا ہے منکر جس کی خود
ہیں سہارا دہر میں بیساکھیاں
جس کی پیشانی پہ ہے داغِ نفاق
وہ بتاتا ہے ہماری خامیاں
کرکے پیدا خود عقیدے میں لچک
کہتا ہے نادان ہیں مجبوریاں
ان کے اعدا کا جلا قصرِ فریب
چھا گیا ہر سو صداقت کا دھواں
جو ہوا منکر نبی کی شان کا
مٹ گیا اس شخص کا نام و نشاں
بزمِ گستاخِ نبی میں شرکتیں
ہیں سراسر وقت کی بربادیاں

قدسی کے تازہ ترین نمونۂ کلام

میرے نبی کا سراپا

بتاؤں میرے نبی کا سراپا کیسا تھا   وہ نورِ حق تھے لبادہ مگر بشر کا تھا

بدن تھا ایسا کہ جیسے بنا ہو چاندی سے   ملاحت ایسی کہ ہر حسن دست بستہ تھا

نہ بیٹھی مکّھی کبھی ان کے جسمِ اطہر پر   نفاستوں کا ہر اِک لمحہ دریا بہتا تھا

جسے بھی مل گیا اِک قطرۂ عرق ان کا   وہ تاحیات کبھی عطر کو نہ ترسا تھا

ہو چاندنی کہ ہوں سورج کی آتشیں کرنیں   سراپا نور تھے ان کا نہ کوئی سایہ تھا

جدھر سے ان کا گذر ہوتا رہ گذر ساری   مہک سی جاتی عجب قدرتی کرشمہ تھا

نہ پوچھتے تھے صحابہ کدھر سے گذرے وہ   لطیف خوشبوئے تن سے سراغ ملتا تھا

حسین مہرِ نبوت تھی بیچ شانوں کے   نہیں شریک کوئی ربّ کا اس میں لکھّا تھا

نبی کے قد کا تھا یہ معجزہ زمانے میں   سر ان کا بھیڑ میں لاکھوں بشر سے اونچا تھا

نہ گھونگھرو تھے نہ سیدھے تھے موئے پاکِ نبی   تھے لٹکے ایسے کہ بادل کرم کا چھایا تھا

مریض کو صحتِ کاملہ ملی اس سے   یہ تجربہ بھی نبی کی صحابیہ کا تھا

ہے موئے پاک نبی ضامن فلاح وظفر   ہمیشہ حضرتِ خالد نے آزمایا تھا

جب آپ خوش نظر آتے تو چہرۂ انور   یوں نور بھرتا کہ خود چاند سر جھکاتا تھا

تھا بحرِ صدق رواں ان کے روئے انور سے   ضیائے فضل وشرف سے وہ جگمگاتا تھا

تھی تاب کس میں انھیں دیکھ پاتا جی بھر کے   وہ والضحیٰ سے ضیابار ایسا چہرہ تھا

ثنائے روئے نبی میں بس اتنا کہہ دینا   جمالِ ربّ کا وہ اک آئنہ نرالہ تھا

تھے اتحاد کے گلزار متصل ابرو | نگاہِ ناز کا فیضان سب پہ چھایا تھا
خدائی دید سے آنکھیں تھیں ان کی یوں سرشار | ہر ایک غیب شہادت کا درجہ رکھتا تھا
اندھیرا ہو کہ اُجالا وہ دیکھتے یکساں | یوں ربّ کے فیض کا آنکھوں میں آنا جانا تھا
نہ صرف مرئی فقط بلکہ غیر مرئی کو | وہ دیکھ لیتے نگاہوں میں ربّ کا جلوہ تھا
جبینِ پاک تھی ان کی کشادہ نورانی | چمک تھی ایسی کہ جیسے چراغ جلتا تھا
بیان ایسا کہ رس گھولتا تھا کانوں میں | زبان ایسی کہ ہر بے زباں بھی شیدا تھا
وہ جب بھی بولتے جھڑتے تھے ہونٹ سے موتی | حلاوتوں کا یہ عالم کہ شہد پھیکا تھا
تھا لفظ لفظ نبی کی فصاحتوں کا بہشت | کلام مخزنِ آیات، وحیِ مولا تھا
بلند گوشِ مقدس کی شان تھی ایسی | وہ سب کی سنتے یہ عالم سماعتوں کا تھا
برابر آتی قریب و بعید کی آواز | نبی کا دہر میں یہ معجزہ انوکھا تھا
حدیث پاک اَطِیطَ السماء ہے اب بھی گواہ | وہ سنتے عرش پہ سجدہ کو چاند گرتا تھا
دہن فراخ تو رخسار نرم تھے بے حد | کشادہ دانت کہ انوار میں نہاتا تھا
کلی جو کھلتی کبھی ان کے مسکراہٹ کی | اُجالا چاروں طرف پھیلتا ہی جاتا تھا
جماہی آتی نہیں تھی کبھی شہِ دیں کو | دہن میں ان کے یوں پاکیزگی کا پہرہ تھا
صراحی دار سڈول ان کی ایسی تھی گردن | کہ جس پہ بوجھ جہاں کی ہدایتوں کا تھا
تھیں گوشت سے بھری چوڑی ہتھیلیاں ان کی | ہویدا اس میں دو عالم کا ذرّہ ذرّہ تھا
کلائیاں رہیں لمبی، دراز تھے بازو | ہر ایک درد کا مارا وہاں سماتا تھا
نبی کا دستِ مقدس تھا دست رحمت کا | تمام خلق کا بے مثل وہ سہارا تھا
وہ جس پہ پھیرتے دستِ کرم کبھی اپنا | پلک جھپکتے ہی غم سے نجات پاتا تھا
کسی بھی چیز سے لگ جاتا دستِ شاہِ زمن | وہ خوشبوؤں کے سمندر میں ڈوب جاتا تھا
نبی کے دستِ مبارک نے ایک لکڑی کو | بنایا آہنی خنجر کمال ایسا تھا
یہ بچپنے کا ہے ارہاص، انگلیاں ان کی | جدھر بھی اُٹھتیں اُدھر چاند گھوم جاتا تھا
جب آتی فیض رسانی پہ انگلیاں ان کی | تو خشک ریت میں چشمہ اُبلتا جاتا تھا

شکم وسینہ تھے بالکل برابر وہموار | خدا کی اس میں عجب حکمتوں کا دریا تھا
شکم تھا صبر وقناعت کا ایک ایسا فلک | زمانہ بھر کے لیے درس کا خزانہ تھا
نبی کا سینہ تھا وحیِ خدا کا گنجینہ | کمالِ معرفت ونور میں وہ اعلیٰ تھا
تھیں شقِّ صدرِ نبی میں یہ حکمتیں مضمر | کہ دو جہاں کا اسے عرشِ نور بننا تھا
نہ صرف پاؤں تھے پُرگوشت بلکہ تھے چوڑے | تھے نرم ایسے کہ پانی نہیں ٹھہرتا تھا
تھیں قدرے پنڈلیاں پتلی مثالِ شیشہ صاف | تھا تلوہ اونچا زمیں پر کبھی نہ لگتا تھا
حبیبِ ربّ کی تھیں نعلینِ پاک چمڑے کی | تلے میں تسمہ بصورت گلاب کھلتا تھا
ملا شرف جسے نعلین سر پہ رکھنے کا | وہ خوش نصیب تھا پر نور تاج والا تھا

ملیں کبھی مجھے نعلین ان کی قدسی کہوں
نصیب ور ہوں، رہوں گا، نصیب والا تھا

ہے ہیچ اس کے واسطے جور و جفا کا رنگ | چھا جائے جس پہ عشقِ رسول خدا کا رنگ
خاطر میں کیا وہ لائے کسی بدعقیدے کو | چڑھ جائے جس پہ مسلکِ احمد رضا کا رنگ
ہم رنگ جائیں رنگ میں ایمانی قدر کے | مل جائے گر بلال کے عشق و وفا کا رنگ
شرعِ مبیں کی چھاپ جس انساں پہ پڑ گئی | حاوی نہ اس پہ ہو سکا کذب وریا کا رنگ
روحانیت کے چرخ کا ہے وہ حسیں قمر | غالب ہے جس کے قلب پہ صدق وصفا رنگ
اللہ کے فرشتے بھی جس سے حیا کریں | عثماں غنی کی ذات میں یوں ہے حیا کا رنگ
للّٰہیت کے نور میں پھیکا رہا صدا | ہر دَور میں نفاق کی آب و ہوا کا رنگ
ان کی قناعتوں کی تجلی سے ہر طرف | دنیا میں پھیلتا گیا صبر و رضا کا رنگ

اربابِ فن نے قدسی کیا ہے یہ اعتراف
تیرے سخن پہ چھایا ہے فکرِ رضا کا رنگ

نبی نے جڑ سے ہی ہر کفر کو اُکھاڑ دیا
ادائے کلمہ ستم کو عرب میں پھاڑ دیا

رکانہ دامنِ اسلام میں چلے آئے
انھیں رسول نے کُشتی میں یوں پچھاڑ دیا

جب انحراف کیا فیصلے سے آقا کے
عمر نے بِشر منافق کے سر کو پھاڑ دیا

کیا نبی نے انھیں پیش ہدیۂ تبریک
علی نے بحث میں مشرک کو جب لتاڑ دیا

وہ ایسا چپ ہوا جیسے زبان منہ میں نہیں
عمر نے دشمنِ آقا کو یوں دہاڑ دیا

رسولِ کون و مکاں کی نگاہِ رحمت نے
جہاں میں حق و صداقت کا جھنڈا گاڑ دیا

دراصل ہم ہی ہیں اپنے کیے کے ذمے دار
غلط ہے کہنا فلاں نے ہمیں بگاڑ دیا

بسا سکا نہ انھیں دل میں جو کبھی قدسیؔ
وہ کم نصیب ہے دل اس نے خود اُجاڑ دیا

ہمیں اپنے نبی کا باوفا ہونا ضروری ہے
بہارِ باغِ تسلیم و رضا ہونا ضروری ہے
رہے اخلاص اور للّٰہیت سے ذوق ہم آہنگ
ہر امرِ خیر خالی از رِیا ہونا ضروری ہے

ہماری زندگی کا لمحہ لمحہ دین و ملت کے
حسیں سانچے میں ہر اِک پل ڈھلا ہونا ضروری ہے
کہیں ہم پر نہ غلبہ کر لے حاصل نفسِ امّارہ
دلوں میں ہر گھڑی خوفِ خدا ہونا ضروری ہے
تمنّا ہے اگر تمغہ بقا کا ہو ہمیں حاصل
تو دل کی بزم میں شمعِ فنا ہونا ضروری ہے
گرانا ہے اگر دیوارِ نفرت کی سبھی اینٹیں
تو دل کا صاف و ستھرا آئنہ ہونا ضروری ہے
حصولِ نعمتِ ربّ کے لیے سب کو بہرِ صورت
درِ شاہِ دوعالم کا گدا ہونا ضروری ہے
کمالِ دین و ایماں کے لیے عشقِ شہِ عالم
ہر اِک شے کی محبت سے سَوا ہونا ضروری ہے
یہ دور پر فتن ہے اس لئے ہر حال میں قدسیؔ
اسیرِ مسلکِ احمد رضا ہونا ضروری ہے

دوہا نعت

جب آئے کوئی آفت، بس ان کو یاد کرلو
ہو درد یا کہ راحت، بس ان کو یاد کرلو
زمانہ جب ستائے، کلیجہ مونھ کو آئے
ہو جب بھی ایسی حالت، بس ان کو یاد کرلو
بگڑتا جارہا ہو، دماغ کا توازن
ہو دل کی تیز حرکت، بس ان کو یاد کرلو
ہو جب بھی ذہنی اُلجھن، بجھے ہوں تن من

ملے گی تم کو فرحت، بس ان کو یاد کرلو
تمہارا کوئی حامی، نظر نہ آئے قدسیؔ
برائے فتح و نصرت، بس ان کو یاد کرلو

شہرِ مدینہ چل کے تو اِک بار دیکھ لے
ہوتی ہے کیسے بارشِ انوار دیکھ لے
کیوں مجھ سے پوچھتا ہے تُو جنت کی دلکشی
گر دیکھنا ہے روضہء سرکار دیکھ لے
گر جاں لُٹانی ہے تجھے عشقِ رسول میں
اصحابِ بدر کا ذرا ایثار دیکھ لے
ناموسِ مصطفیٰ کی حفاظت کے واسطے
تپتی زمیں پہ جذبۂ عمّار دیکھ لے
مامون ہے زمانہ خدا کے عذاب سے
آقا کی رحمتوں کے یہ آثار دیکھ لے
یادِ نبی کی بزم سجا کر تُو قلب میں
خوابیدہ اپنے بخت کو بیدار دیکھ لے
پُرنور ہو کے خُلقِ نبی کے جمال سے
انسانیت کا دہر میں معیار دیکھ لے
لاتا نہیں ہے غیر کو خاطر میں وہ کبھی
کتنا غلام ان کا ہے خوددار دیکھ لے
ان کی زمیں پہ رہ کے انہیں کی اہانتیں
نجدی ہے کیسا دین کا غدّار دیکھ لے
سانچے میں خود کو ان کی شریعت کے ڈھال کر

قدسیؔ رہِ نجات کو ضو بار دیکھ لے

دوہا نعت

ہیں وہ سلطانِ زمن، رشتہ ان سے جوڑ
پھوٹے گی نوری کرن، رشتہ ان سے جوڑ

ان کا ذکرِ خیر ہو، تیرا نصب العین
دل ہو رشکِ انجمن، رشتہ ان سے جوڑ

عزت، شہرت دیکھنا، ہوگی پھر پابوس
دینِ حق سے ہو لگن، رشتہ ان سے جوڑ

مت رکھ اَوروں سے غرض، ہوجا یک در گیر
ہے یہ دورِ پُرفتن، رشتہ ان سے جوڑ

حق سُن، حق کہہ، حق پر رہ، ہوجائیں گے ہیچ
باطل کے دار و رسن، رشتہ ان سے جوڑ

صحنِ دل ہوجائے گا، میرا ہے ایقان
نور و نکہت کا چمن، رشتہ ان سے جوڑ

یادوں میں سرکار کی، ہوکر بے پرواہ
قدسیؔ ہر پل رہ مگن، رشتہ ان سے جوڑ

نور و رحمت سے بھری، ان کی اعلیٰ ذات
قسمت کو چمکا گئی، ان کی اعلیٰ ذات

اپنوں کی تخصیص کیا، بول اُٹھے اغیار

ہے یہ امرِ واقعی، ان کی اعلیٰ ذات

جب لب ہائے پاک سے، نکلی کوئی بات
ہر دم سچ ہوکر رہی، ان کی اعلیٰ ذات

دھرتی تو دھرتی رہی، زیر پائے شاہ
ہیں افلاکِ ہفت بھی، ان کی اعلیٰ ذات

ان کے کلمے کی ضیا پھیلی تھی اس طرح
پڑھتے تھے سارے نبی، ان کی اعلیٰ ذات

ان سے اور ان کے لیے، ثابت ہے یہ امر
ساری خلقت ہے بنی، ان کی اعلیٰ ذات

قدسیؔ اس ناچیز پر، ربّ کا یہ فیضان
میری وجہِ شاعری، ان کی اعلیٰ ذات

خلقت کا دارالاماں، آقا کا دربار
رحمت کا ہے سائباں، آقا کا دربار

حاضر رہتے ہیں مَلَک، ہر دم صبح و شام
عظمت کا ہے آسماں، آقا کا دربار

اُمت پر جب بھی کوئی، آتی ہے اُفتاد
رہتا ہے راحت رساں، آقا کا دربار

بے بس خود ہوجائیں گے، شوریدہ حالات
ہم سب کا ہے پاسباں، آقا کا دربار

اس کی ملتی ہی نہیں، عالم میں تمثیل

یوں رفعت کا ہے نشاں، آقا کا دربار

وہ بے بس جس سے سبھی، ہوجاتے ہیں دور
اس پر ہر دَم مہرباں، آقا کا دربار

دیتا ہے کونین کو، تنویرِ ایمان
حق کا بحرِ بے کراں، آقا کا دربار

مدھم آتے ہیں نظر، شمس و نجم و بدر
قدسیؔ یوں ہے ضو فشاں، آقا کا دربار

سب نبیوں کے درمیاں، ان کے جیسا کون
ہو جو وجہِ کن فکاں، ان کے جیسا کون

یوں تو کثرت سے رہی، شاہوں کی تعداد
لیکن شاہِ دو جہاں، ان کے جیسا کون

پل میں پہنچے لامکاں، عقلیں ہیں حیران
ربّ کا ایسا مہماں، ان کے جیسا کون

جو اُمت کے واسطے، روتا ہو دن رات
ایسا مونس مہرباں، ان کے جیسا کون

جس کی رب کی دید سے، آنکھیں ہوں پُرنور
محبوبِ ربِّ انس و جاں، ان کے جیسا کون

مشتِ کافر میں پڑھے، ہوکر بے پرواہ
جس کا کلمہ بے زباں، ان کے جیسا کون

قدسیؔ کَفٰی ھٰذِہٖ، جس کا ہو فرمان
عالم میں پھر غیب داں، ان کے جیسا کون

غزل

عجب میرے دل کا ہے عالم مسلسل
سنا ہے وہ رہتے ہیں پُرنم مسلسل

خوشی کا گلستاں ہے غربت کی کٹیا
ہے ثروت کے محلوں میں ماتم مسلسل

ہے دلدل میں سرتاپا وہ پستیوں کی
سوار اس پہ ہے پھر بھی ہم مسلسل

ہوا دل کا اخبار رنگین خوں سے
وہ لکھتا گیا ایسا کالم مسلسل

ہوا تازہ دم حوصلے دم بدم اور
مِری سمت آتے رہے بم مسلسل

ملے گر وہ سینے سے رکھ لوں لگا کر
وہ غم ہے ہر اِک غم کا مرہم مسلسل

معانی کا سادہ مزاجی کے آگے
ہے الفاظ کا کرّوفر خم مسلسل

شب و روز روزِ ازل ہی سے قدسیؔ
ہیں دست و گریبان باہم مسلسل

ان سے نظر ملائے زمانہ گذر گیا

دامن میں گل سجائے زمانہ گذر گیا
پرسانِ حال ڈھونڈتے تھک سا گیا ہوں میں
رودادِ دل سنائے زمانہ گذر گیا
سچ جان کر بھی سچ نہ کبھی بول پایا میں
مونھ میں دہی جمائے زمانہ گذر گیا
آنکھیں ہیں شمعِ دید لیے محوِ انتظار
دل کی لگی بجھائے زمانہ گذر گیا
شانہ بہ شانہ بحرِ مسرت کی موج میں
کشتیِ غم ترائے زمانہ گذر گیا
صحنِ چمن میں آکے مسلط رہی خزاں
کلیوں کو مسکرائے زمانہ گذر گیا
ہم سے نہ کیفیت کوئی پوچھے جنون کی
قصرِ خرد گرائے زمانہ گذر گیا
میرے کرم نواز کی اللہ خیر ہو
آنگن میں سنگ آئے زمانہ گذر گیا
ان کے ہی دل میں قدسیؔ بسیرا ہے مستقل
گھر بار سب لٹائے زمانہ گذر گیا

جس کا برسوں سے میں گرویدہ رہا
مل کے اس سے قلب رنجیدہ رہا
روبرو ہر دَم مِرے رہتا ہے وہ
پھر کہوں کیسے وہ نادیدہ رہا
راز کے اندر تھا راز ایسا نہاں

ہو کے ظاہر پھر بھی پوشیدہ رہا
تھی کرم خود وہ کتابِ زندگی
ہر ورق سانسوں کا بوسیدہ رہا
حل کے دروازے سبھی مسدود تھے
مسئلہ لمحوں کا پیچیدہ رہا
افراتفری تھی خوشی کے قصر میں
درد کا ماحول سنجیدہ رہا
اس کی یادوں کی چلیں یوں آندھیاں
دل کا موسم خوب شوریدہ رہا
آہ بھرتی تھی یہ کہہ کر مفلسی
بے گھری کا بخت خوابیدہ رہا
سن کے قدسیؔ موم کی رودادِ غم
رات بھر اک سنگ نم دیدہ رہا

دورِ حاضر کے حالات مت پوچھیے
اشک آلود لمحات مت پوچھیے

جس نے پل بھر میں کایا پلٹ دی مِری
با اثر اس کی وہ بات مت پوچھیے

جس سے وابستہ تھیں رونقیں زیست کی
کیسے اُجڑے وہ باغات مت پوچھیے

دیکھ کر بلبلوں کی قلابازیاں
جو اُبھرتے ہیں خدشات مت پوچھیے

سنگ کے روز بڑھتے ہوئے ظلم کو
کیسے دی کانچ نے مات مت پوچھیے

اس کے جیسا کوئی ہے، نہ ہوگا کبھی
کتنی تھی وہ حسیں ذات مت پوچھیے

کیا کہوں اپنی رودادِ عشق و وفا
دل کے اٹھتے بخارات مت پوچھیے

کپکپاہٹ تھی طاری مِرے ذہن پر
ان کے مبہم سوالات مت پوچھیے

ریگ زارِ الم کا سفر تھا عجب
کتنے روشن تھے ذرّات مت پوچھیے

گاؤں کا گاؤں اِک آن میں بہہ گیا
بارشوں کی عنایات مت پوچھیے

جس پہ قدسیؔ چھڑکتا رہا جان و دل
کیسی دی غم کی سوغات مت پوچھیے

دوہا غزل

اِس پر اُس پر پھبتیاں، اپنی دیکھو یار
رکھّو قابو میں زباں، اپنی دیکھو یار

عیش و عشرت میں نہ ہو، اتنا بھی تم غرق
حاوی ہو جائے زباں، اپنی دیکھو یار

جانے کب جاؤ پھسل، کھولے رکھّو آنکھ

حائل ہے گہرا کنواں، اپنی دیکھو یار

شک کرنا ہر بات پر، دل میں رکھنا بیر
مت ہو اتنا بدگماں، اپنی دیکھو یار

ہے یہ دورِ پُرفتن، سب کو اپنی فکر
محسن ملتے ہیں کہاں، اپنی دیکھو یار

ان بگڑے حالات میں، کس کو دو گے دوش
رستہ رستہ خوں چکاں، اپنی دیکھو یار

اپنے اپنے رنگ میں، ہیں سرشار و مست
قدسیؔ سب خُرد و کلاں، اپنی دیکھو یار

اتنی بھی کیا بے رُخی، جانے بھی دو یار
دو روزہ ہے زندگی، جانے بھی دو یار

چھوٹی چھوٹی بات پر، کیوں دیتے ہو دھیان
لاؤ ہونٹوں پر ہنسی، جانے بھی دو یار

اپنوں کے کردار کا، شکوہ ہے بے سود
دنیا ہے بے حد بڑی، جانے بھی دو یار

جس کے پاؤں میں نہیں، چلنے کی بھی تاب
کہلاتا ہے وہ جری، جانے بھی دو یار

نقطہ ہو یا حرف ہو، جملہ ہو یا لفظ
سب کو اپنی ہے پڑی، جانے بھی دو یار

یہ میں بھی ہے سُنا، خوں روتی ہے شمع
طوفانوں میں ہے گھری، جانے بھی دو یار

قدسیؔ حالِ زار پر، کس کو کیا دیں دوش
جب خود ہم میں ہے کمی، جانے بھی دو یار

آیا مجھ کو وہ نظر، اک عرصے کے بعد
جیسے پھوٹی ہو سحر، اک عرصے کے بعد

پتّہ پتّہ شاد ہے، شاخیں محوِ رقص
آیا پیڑوں پر ثمر، اِک عرصے کے بعد

راہیں تکتا تھا فلک، تارے تھے مشتاق
چمکا افسردہ قمر، اِک عرصے کے بعد

جانے محسن کون تھا، جس نے پھینکا آج
میرے آنگن میں حجر، اِک عرصے کے بعد

یاد اس کی تازہ ہوئی، دل کو آیا چین
غم کو ہنستا دیکھ کر، اِک عرصے کے بعد

جاری رکھو کوششیں، ہوکر تم پُر عزم
ملتی ہے فتح و ظفر، اِک عرصے کے بعد

قریہ قریہ ڈھونڈتا، پھرتا تھا دن رات
دیکھا میں نے اپنا گھر، اِک عرصے کے بعد

دنیا جس کی منتظر، قدسیؔ تھی ہر آن
لوٹ آیا وہ دن مگر،اِک عرصے کے بعد

قدموں کو آگے بڑھا، رونا دھونا چھوڑ
ہمت کو رہبر بنا، رونا دھونا چھوڑ

اپنے حسنِ خلق سے، لوگوں کا دل جیت
روشن کر شمعِ وفا، رونا دھونا چھوڑ

تاریکی کو مت بنا، اپنا عذرِ لنگ
پیدا کر دل میں ضیا، رونا دھونا چھوڑ

در در کی یوں ٹھوکریں، کھاتا ہے بے وجہ
اپنے ربّ سے لَو لگا، رونا دھونا چھوڑ

خالق کے احکام سے، ہوکر لاپرواہ
مت ڈھا خود پر یوں جفا، رونا دھونا چھوڑ

ڈر جانا حالات سے، بزدل کا ہے طور
طوفاں کا کر سامنا، رونا دھونا چھوڑ

اتنی ضد اچھی نہیں، میری بھی سُن یار
ہر دَم اپنی مت چلا، رونا دھونا چھوڑ

کیف و فرحت پر نہ کر، قدسیؔ اتنا ناز
اوڑھے رہ غم کی رِدا، رونا دھونا چھوڑ

تازہ ترین مناقب

نیک سیرت پاک طینت اُمہات المؤمنین
رحمتِ عالم کی راحت اُمہات المؤمنین

بن گئیں شاہِ اُمم کی صحبتِ بافیض سے
رشکِ صد حورانِ جنت اُمہات المؤمنین

شاہد ارشادِ خدا لَستُنَّ ہے قرآن میں
حاملِ تنویرِ رفعت اُمہات المؤمنین

حشر تک ہیں بالیقیں سب اُمتوں کے واسطے
لائقِ اکرام و عزت اُمہات المؤمنین

اپنی ماؤں سے بھی بڑھ کے ہے مسلّم ان کی شان
یوں ہیں فردوسِ فضیلت اُمہات المؤمنین

بارہا آقا نے خود توصیف کی ان کی بیاں
یوں رہیں نورِ قناعت اُمہات المؤمنین

مرویات ان کی ہمیں دیتی ہیں خوشبوئے لطیف
گلشنِ ملت کی زینت اُمہات المؤمنین

آپ کے در کا سوالی قدسیؔ ناچیز ہے
اس پہ بھی ہو چشمِ رحمت اُمہات المؤمنین

بنتِ عمران حسیں پاک کنواری مریم
نیک سیرت ہیں مقدس ہیں نرالی مریم

سب خواتین سے اُس دور میں افضل وہ رہیں
اُمِّ عیسیٰ ہیں خدا کی بڑی پیاری مریم

حجرۂ پاک میں میوے ملے ہر موسم میں
یوں رہیں حامل سرمایۂ غیبی مریم

ان کے اوصاف پہ خم ہے سرِ تسلیم یہود
نورِ تقدیس سے معمور ہیں نامی مریم

زوجیت سے شہِ عالم کی مشرف ہوں گی
باغِ فردوس میں خوش بخت بہشتی مریم

تاحیات ان سے ہدایت کی ضیائیں پھیلیں
بے مثال ایسی رہیں آمر و ناہی مریم

قولِ حضرت زکریا ہے مدلّل قدسیؔ
ہیں کرامات کے گلزار کی ڈالی مریم

بہارِ باغِ فضیلت خدیجۃ الکبریٰ
قرارِ شاہِ رسالت خدیجۃ الکبریٰ

ہوئیں وہ داخلِ اسلام قبلِ جملہ نساء
ہیں ایسی نورِ سعادت خدیجۃ الکبریٰ

نبی سے ان کی ہے یہ رغبتِ نکاح گواہ
ہیں رمزِ عشقِ نبوت خدیجۃ الکبریٰ

عرب میں شہرہ رہا ان کی پاکبازی کا
ہیں ایسی کعبۂ سیرت خدیجۃ الکبریٰ

نبی کے شانہ بہ شانہ رہیں بوقتِ ستم
فصیلِ حق و صداقت خدیجۃ الکبریٰ

ہمیشہ کرتی رہیں رشک ان پہ صدّیقہ
نبی کی محورِ اُلفت خدیجۃ الکبریٰ

کھلایا جنتی انگور مصطفیٰ نے انھیں
نوید گلشنِ جنت خدیجۃ الکبریٰ

لٹایا قدسیؔ شہِ دیں پہ سارا سرمایہ
ہیں عرشِ جود و سخاوت خدیجۃ الکبریٰ

نور ہی نور ہیں حضرتِ عائشہ
حق سے معمور ہیں حضرتِ عائشہ

مرویات ان کی سب راویوں سے فزوں
علم کی طور ہیں حضرتِ عائشہ

آپ افتا کی مسند کی رونق رہیں
فقہی منشور ہیں حضرتِ عائشہ

قربتِ نورِ حق کا ہے نوری اثر
نازشِ حور ہیں حضرتِ عائشہ

خود عبادات کرتی رہیں ان پہ ناز
ایسی ماجور ہیں حضرتِ عائشہ

دوتہائی ہے دین ان کی تحویل میں
دینی دستور ہیں حضرتِ عائشہ

قدسیؔ قربان ان پر ہے وصفِ غنا
ایسی غیور ہیں حضرتِ عائشہ

شریعت کی زینت ہیں خاتونِ جنت

شہِ دیں کی راحت ہیں خاتونِ جنت
شہادت یہ دیتی ہے سجدوں کی کثرت
کہ جانِ عبادت ہیں خاتونِ جنت
ندا ہوگی بنتِ نبی آرہی ہیں
ضیائے قیامت ہیں خاتونِ جنت
بتول ایسی ممتاز سب عورتوں میں
کمالِ طہارت ہیں خاتونِ جنت
ہے نسلِ نبی ان سے جاری و ساری
بنائے سیادت ہیں خاتونِ جنت
کہا بضعۃ منّی آقا نے ان کو
یوں صد رشکِ قسمت ہیں خاتونِ جنت
رہا ناز ان پر علی و نبی کو
جمالِ سعادت ہیں خاتونِ جنت
نمازیں نہ چھوٹیں کبھی زندگی بھر
یوں زہرائے سیرت ہیں خاتونِ جنت
حدیثِ نبی لَمْ تحض قدسیؔ شاہد
سزاوارِ مدحت ہیں خاتونِ جنت
ضیائے فضیلت ہیں دائی حلیمہ
حرائے سعادت ہیں دائی حلیمہ
رہے ان کی آغوش میں شاہِ عالم
گلِ باغِ قسمت ہیں دائی حلیمہ
بچھاتے تھے چادر نبی ان کی خاطر

تجلّائے عظمت ہیں دائی حلیمہ

یہ تمغہ ہے سرکار کی خدمتوں کا
تمنائے جنت ہیں دائی حلیمہ

بنی سعد نے دی یہ پیہم گواہی
درِ خیر و برکت ہیں دائی حلیمہ

رہا اعتماد ان پہ بی آمنہ کو
صفائے امانت ہیں دائی حلیمہ

نسائے بنی سعد تھیں پیکرِ رشک
یوں مینارِ نعمت ہیں دائی حلیمہ

نثار ان کے ایماں پہ قدسیؔ ہے ایماں
فدائے نبوت ہیں دائی حلیمہ

نورِ ایماں سے منور ذاتِ بی بی آسیہ
مشکِ عظمت سے معطر ذاتِ بی بی آسیہ

خوب تر کی پرورش حضرت کلیم اللہ کی
حاملِ حُسنِ مقدر ذاتِ بی بی آسیہ

کفر کی تحویل میں رہ کر بچایا دین کو
اہلِ ایماں کی ہے رہبر ذاتِ بی بی آسیہ

ہوگیا فرعون مبہوت ان کا ایماں دیکھ کر
باطلوں کے سر پہ خنجر ذاتِ بی بی آسیہ

اب بھی آتی ہے صدا بزمِ ملائک سے یہی
باغِ جنت کی گل تر ذاتِ بی بی آسیہ

بحرِ صبر و استقامت کی رہی تا زندگی
ضو فشاں بے مثل گوہرِ ذاتِ بی بی آسیہ

حشر تک قدسیؔ خواتینِ جہاں کے واسطے
درس کا ہے اک سمندر ذاتِ بی بی آسیہ

اُمّ غوث الوریٰ حضرتِ اُمِّ خیر
پرتوِ فاطمہ حضرتِ اُمِّ خیر

جن پہ نازاں ہے نسلِ امامِ حسن
ہیں وہ نورِ صفا حضرتِ اُمّ خیر

ان کی عفّت پہ عفّت رہی خود نثار
ایسی ہیں طاہرہ حضرتِ اُمّ خیر

ان کی پاکیزہ سیرت ہے روشن گواہ
حورِ خلد حیا حضرتِ اُمّ خیر

جانے کتنوں کو قربِ خدا دے گئیں
بحرِ فیض و عطا حضرتِ اُمّ خیر

ان کی مرہونِ منت ہے روحانیت
راہِ حق کی ضیا حضرتِ اُمّ خیر

غوثِ اعظم کے صدقے ہو نظرِ کرم
میں بھی ہوں اک گدا حضرتِ اُمّ خیر

مسلکِ حق پہ قدسیؔ کا ہو خاتمہ
بہرِ احمد رضا حضرتِ اُمّ خیر

ہیں تصوف کی ضیا اُمّ ورع
ذکرِ حق ھو کی صدا اُمّ ورع

کرکے شہزادے کی حسنِ تربیت
بن گئیں رشکِ ثنا اُمِّ ورع

آپ کی روشن دعاؤں کا صلہ
ہیں عطائے مصطفےٰ اُمِّ ورع

حضرتِ خواجہ معین الدین کی
مادرِ بحرِ وفا اُمِّ ورع

واسطہ خواجہ کا مل جائے ہمیں
ربِّ اکبر کی رضا اُمِّ ورع

ہے حیاتِ طیبہ قدسیؔ گواہ
وصف کی کوہِ صفا اُمِّ ورع

فنائے ذاتِ الٰہی ہیں رابعہ بصری
فنا کے بعد بھی باقی ہیں رابعہ بصری

عبادتیں ہوں خدا کی فقط خدا کے لیے
یوں راہِ خلد کی ہادی ہیں رابعہ بصری

بہارِ باغِ تصوف کی ان سے ہی قائم

خدا کے قرب کی داعی ہیں رابعہ بصری

بنایا مرتکبِ شر کو دائمی تائب
کرم کی چشمۂ جاری ہیں رابعہ بصری

کھنچا کھنچا چلا آیا تھا کعبہ ان کے لیے
قریبِ حضرت باری ہیں رابعہ بصری

ہے بحرِ درسِ حیات ان کی بہرِ اہل اللہ
جمالِ سبعِ مثانی ہیں رابعہ بصری

کبھی نہ غیر کے در پہ جھکایا سر قدسیؔ
خدا کی ایسی سوالی ہیں رابعہ بصری

فاطمی نور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
جنتی حور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

تادمِ زیست رہیں زہد و ورع کی پیکر
فضل سے چور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

وہ چہیتی رہیں حضرت کی بہو ماں بن کر
بخت کی نور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

برملا ان کی سیادت کا یہ کہتا ہے جمال
کتنی پُرنور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

ان کو نفرت رہی بدکار سے، ہر باطل سے
کتنی غیور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

زیست ان کی ہے خواتین کے لیے درسِ عمل
برسے بھرپور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

بعدِ رحلت رُخِ زیبا کی چمک ہے شاہد
اب بھی مسرور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
درس قرآں کا وہ دیتی رہیں تاوقتِ وصال
دینی دستور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
اپنی اولاد کو دیتی رہیں وہ درسِ جہاد
حق سے معمور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت
وہ مِرے ساتھ مِرے پاس ہیں ہر دم قدسیؔ
مت کہو دور ہیں محمودۂ اہلِ سنّت

قدسیؔ کے تحریری عکوس

①

داڑھی کی شرعی حد
(فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں)

از
سید اولادِ رسول قدسی مصباحی
نیو یارک، امریکہ

یہ حقیقت کوہِ گراں کی طرح اٹل ہے کہ برِ صغیر میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی جو درخشانی نظر آتی ہے یہ مجددِ اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی بے لوث ناقابلِ فراموش جانفشانیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نے آخری سانس تک اپنے ناموس کی پرواہ کیے بغیر ناموسِ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت و صیانت میں جہاں کوئی کسر باقی نہیں رکھی وہیں گوناگوں مسائل کی تنقیح و توضیح میں بھی دلائل و براہین کے انبار لگا دیے۔ معترضین کے ہر حملے کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ اس کا ہر وار بے کار ہو کر رہ گیا۔ آپ نے بیشتر سوالوں کے جوابات میں چند صفحات نہیں بلکہ پورا کا پورا رسالہ قلمبند فرمایا۔ ان رسالاجات کو فتاویٰ رضویہ کی جلدوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آج کی کیا تخصیص صبحِ قیامت تک آپ کی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ اس حقیقت سے انکار وہی کرے گا جس کا ذہنی توازن یا تو برقرار نہ ہو یا وہ علمی میدان میں قلاش ہو یا پھر اس کے سینے میں حسد و تعصب کی گہری کھائی جمی ہو۔ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ظاہر زیست سے لے کر ماضی قریب تک تمام اہلِ حق مستند و معتبر بزرگوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کے احسانات کا بصمیمِ قلب اعتراف کیا بلکہ آپ کے نقوشِ قدم پر چلنا اپنے لیے مایۂ افتخار اور بقائے ایمان کا ضامن سمجھا۔ اپنے متوسلین و معتقدین کو تا دمِ حیات مسلکِ اعلیٰ حضرت پر سختی سے گامزن رہنے کی تلقین فرمائی اور اس بات کا بھی برملا اعلان و اظہار کیا کہ جس مسئلہ میں سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تحقیقِ انیق مل جائے اس پر سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔

اگر کوئی بد عقیدہ یا بد مذہب آپ کی ذات، مسلک یا آپ کی تحقیق پر شب خون مارنے کی لاحاصل کوشش کرے تو کوئی حیرت و استعجاب کی بات نہیں لیکن یہاں المیہ یہ ہے کہ آج اس محاذ میں وہ لوگ نظر آ رہے ہیں

(۲)

جو اپنے آپ کو سنیت کی کشتی کا سب سے بڑا ناخدا سمجھ رہے ہیں۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب بھی کسی نے گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کا روپ دھارا یا بہ لفظِ دیگر اپنوں میں رہ کر نفاق کا بیج بویا تو اسے ہمارے اسلاف نے کبھی نہیں بخشا۔ ان کا ہر ممکن تعاقب کرکے ایسے ناپاک حربوں کو چاروں شانے چت کر دیا۔ ہمارے اسلاف نے ایسے شر و فساد پھیلانے والوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے اور اسے اس کی اوقاتِ علمی دکھانے میں یہ نہیں دیکھا کہ سامنے والا اپنا ہے یا غیر، صاحبِ علم ہے یا اہلِ قلم، صاحبِ جبہ و دستار ہے یا نمائشی تقویٰ شعار، مملکت کا تاج نہاد پیشوا ہے یا روحانیت کا ٹھیکیدار۔

کچھ سالوں سے ہند و پاک کے کچھ مولویوں نے ایک مشت داڑھی کے وجوب کو متنازعہ فیہ بنا رکھا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے دور میں بھی جب اس سلسلے میں یہ بات شروع ہوئی، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ فقہاء کی غلط سلط تعبیریں کی گئیں تو آپ کا قلم خاموش نہ رہا بلکہ آپ نے مخالف اقوالِ کاسدہ اور دلائلِ فاسدہ کا ردِّ بلیغ فرمایا۔ چنانچہ ۱۳۱۴ھ میں آپ نے "لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ" نامی ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا جس میں آپ نے دلائلِ باہرہ سے ثابت فرمایا کہ ایک مشت داڑھی مستحب و سنت نہیں بلکہ واجب ہے۔

اگر ہم اس سلسلے میں غور کریں تو قرآنِ مقدس کے سورۂ طٰہٰ کی چورانویں آیت سے بھی ایک مشت داڑھی کا وجوب اشارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قال یبنؤم لا تاخذ بلحیتی ولا براسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی۔

یعنی کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال، مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا۔

مذکورہ آیت میں داڑھی پکڑنے کا ذکر ہے۔ یہ چنداں بیان کی ضرورت نہیں کہ داڑھی اس وقت پکڑی جا سکتی ہے جب یہ کم از کم چار انگل ہو۔

قدسی کی
نثری وشعری
کتب کے عکوس

قدسی کی نثری و شعری کتب کے عکوس
لمحہ لمحہ
نظموں کا مجموعہ
سید اولاد رسول قدسی
رضا دار المطالعہ
قدسی شخص و شاعر
محمد رحمت اللہ صدیقی
رضا دار المطالعہ
رفتہ رفتہ
سید اولاد رسول قدسی
رضا دار المطالعہ

قدسی کی نثری وشعری کتب کے عکوس
امریکہ کی سرزمین پر مسلک اعلیٰ حضرت کی تائید میں لکھی جانے والی پُراثر تحریر
مفتی اعظم اڑیسہ
اور
مسلک اعلیٰ حضرت
بس یہی ہے راہِ جنت
فرشتوں کے احوال
رضا دارالمطالعہ